POSTED AT LPC Delhi RMS
ON 17-18 July 2026, R.N.I No. 2186/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) - 01/1195/2024-26, Licensed to Post
Without Prepayment U (C) - 160/2024-26, ISSN 2456-8511

Total Pages 8

ہفت روزہ
ہماری زبان
HAMARI ZABAN (Weekly)
اشاعت کا 87واں سال

Date of Publication: 16-07-2026 • Price: 5/- • 22-28 July 2026 • Issue: 28 • Vol:85
۲۲ تا۲۸/جولائی ۲۰۲۶ء • شمارہ:۲۸ • جلد:۸۵

'بابائے الجبرا' و 'الگورتھم' کا بانی الخوارزمی

عبّاسی دور کی ایک عظیم ترین مسلم عبقری شخصیت

انجینئر محمود اقبال

کیا آپ موبائل فون، اسمارٹ فون، کمپیوٹر یا لیپ ٹاپ استعمال کرتے ہیں؟ اس کی بنیاد کس نے رکھی تھی؟ کسی اور نے نہیں، نویں صدی اور اسلامی سنہری دور کے عظیم سائنس داں و ریاضی داں الخوارزمی نے۔ ان کا پورا نام محمد بن موسیٰ الخوارزمی ہے۔ الخوارزمی کو صرف بابائے الجبرا کہنا کافی نہیں ہے۔ وہ نہ صرف الجبرا (Algebra) کے بانی تھے بلکہ الگورتھم (Algorithm) کے محرک، اعشاری نظام کے مروّج، فلکیات داں، جغرافیہ داں اور اسلامی سنہری دور کے عظیم سائنس داں و ریاضی داں بھی تھے۔ اسی لیے انھیں انسانی تاریخ کے بااثر ترین ریاضی دانوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ الخوارزمی کو اکثر بابائے الجبرا (Father of Algebra) کہا جاتا ہے۔ ان کے کام نے بعد میں یورپ کی نشاۃِ ثانیہ (Renaissance) اور جدید ریاضی و کمپیوٹر سائنس کی ترقی میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ ان کی یاد میں چاند کا ایک گڑھا (Crater) اور کئی تعلیمی اداروں کے نام بھی موسوم ہیں۔ چاند پر موجود الخوارزمی (Al-Khwarizmi) نامی گڑھا ایک قمری (Lunar) اثراتی گڑھا ہے جو چاند کے دور والے حصے پر واقع ہے۔ اس کا قطر تقریباً 56 کلومیٹر ہے۔ اس گڑھے کا نام محمد بن موسیٰ الخوارزمی کے اعزاز میں رکھا گیا ہے۔ قمری اجسام اور ان کی سطحی خصوصیات کے ناموں کی منظوری ادارہ انٹرنیشنل اسٹرانامیکل یونین (International Astronomical Unio Union) دیتا ہے۔ دستیاب قمری ناموں کی سرکاری فہرست کے مطابق الخوارزمی (Al-Khwarizmi) نام 1973 میں منظور کیا گیا۔ اس سے پہلے اس ساخت کو غیر رسمی طور پر 'عربیہ' بھی کہا جاتا تھا۔ الخوارزمی ان چند مسلم علما میں شامل ہیں جن کے نام چاند کے گڑھوں پر رکھے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ، دیگر مشہور اسلامی ناموں میں البیرونی (Al-Biruni)، ابن ہیثم (Ibn-e-Haytham) اور عمر خیّام (Omar Khayyam) وغیرہ بھی شامل ہیں، جن کے نام پر چاند کے کچھ گڑھے یا انگریزی میں کریٹر کہہ لیجیے، موسوم ہیں۔

الخوارزمی کی ذاتی زندگی کے بارے میں بہت کم معلومات محفوظ ہیں، لیکن ان کے علمی کارناموں کا اثر آج بھی ہر کمپیوٹر، موبائل فون اور سائنسی حساب میں موجود ہے، کیوں کہ الگورتھم (Algorithm) کا تصور انھی کے نام سے منسوب ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ الخوارزمی کی زندگی کا وہ حصہ جو تاریخ نے محفوظ رکھا ہے، ان کی علمی زندگی ہے، جب کہ ان کی نجی زندگی زیادہ تر تاریخ کے تاریک پردوں میں پوشیدہ ہے۔ الخوارزمی 81/780 میں پیدا ہوئے اور 850 کے آس پاس بغداد میں وفات پائی، اگرچہ وفات کی صحیح تاریخ کہیں درج نہیں ہے۔ ان کا تعلق غالباً خوارزم (Khwarazm)، (موجودہ ازبکستان اور ترکمانستان کے علاقہ) سے تھا، اسی نسبت سے انھیں الخوارزمی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان کی شہرت ان کے علمی کاموں کی وجہ سے ہے۔ تاریخ میں ان کی شادی، اولاد یا خاندانی زندگی کے بارے میں بھی کوئی معتبر اور تفصیلی ریکارڈ محفوظ نہیں ہے۔ ان کی تصانیف سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایک منظّم اور عملی سوچ رکھنے والے عالم تھے۔ وہ پیچیدہ مسائل کو آسان انداز میں بیان کرتے تھے۔ علم کو صرف نظری نہیں بلکہ عملی زندگی میں مفید بنانے پر زور دیتے تھے۔ ان کی ابتدائی تعلیم کے بارے میں یقینی معلومات موجود نہیں ہیں۔ تاہم ان کی تصانیف سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ریاضی، فلکیات، جغرافیہ اور فلسفے میں غیر معمولی مہارت رکھتے تھے۔ انھوں نے یونانی، ایرانی اور ہندوستانی علمی روایات سے استفادہ کیا تھا۔ وہ عباسی دور کے اسلامی علمی ماحول میں پروان چڑھے تھے۔ ان کی کتابوں کا آغاز عموماً اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا سے ہوتا ہے، جو اس دور کے مسلم علما کا طرز عام تھا۔ بعد میں وہ بغداد منتقل ہوئے، جو اس وقت عباسی خلافت کا علمی اور سیاسی مرکز تھا۔ انھوں نے 'بیت الحکمت' (House of Wisdom) میں کام کیا، جہاں انھیں حکومتی سرپرستی حاصل تھی۔ 'بیت الحکمت' یا عربی میں 'بیت الحکمہ'، عبّاسی دور میں قائم ایک عظیم علمی مرکز تھا۔ اس ادارے میں یونانی، فارسی اور سنسکرت کتابوں کا عربی زبان میں ترجمہ کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ اس ادارے میں ریاضی، فلکیات، طب، فلسفہ اور جغرافیہ پر تحقیق اور ریسرچ بھی ہوتی تھی۔

الخوارزمی نے ریاضی کی ایک شاخ الجبرا (Algebra) کو ایک باقاعدہ علم کی شکل دی تھی۔ ان کی مشہور کتاب 'کتاب المختصر فی حساب الجبر والمقابلہ' نے الجبرا کی بنیاد رکھی تھی۔ ان کے نام سے ہی انگریزی لفظ الگورتھم (Algorithm) نکلا ہے، جو کمپیوٹر سائنس کی بنیادی اصطلاح ہے۔ انھوں نے ہند سے (0 تا 9) اور اعشاری نظام کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا، جس کے ذریعے ہندستانی عددی نظام یورپ تک پہنچا۔ فلکیاتی جدولیں (Astronomical Tables) مرتب کیں۔ جغرافیہ پر کتاب لکھی جس میں زمین کے نقشوں اور شہروں کے محلِ وقوع کا بیان تھا۔ ریاضی کے پیچیدہ مسائل کو حل کرنے کے عملی طریقے پیش کیے۔ محمد بن موسیٰ الخوارزمی صرف الجبرا کے بانی ہی نہیں تھے بلکہ ریاضی، فلکیات، جغرافیہ اور سائنسی طریق کار کے بھی عظیم موجد اور محقق تھے۔ ان کے چند اہم کارنامے درج ذیل ہیں۔

علمِ الجبر کی بنیاد: الخوارزمی کی مشہور کتاب 'کتاب المختصر فی حساب الجبر ومقابلہ' نے الجبرا (Algebra) کو ایک مستقل علم کی حیثیت دی تھی۔ جس میں انھوں نے خطی اور مربعی مساوات (Linear and Quadratic Equations) کے حل کے منظّم طریقے بیان اور پیش کیے ہیں۔ اس وجہ سے اسے علم الجبرا کی اولین اور بنیادی کتابوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس کتاب کا بعد میں لاطینی زبان میں ترجمہ ہوا تھا، اور اس کے بعد کئی صدیوں تک یورپ کی جامعات میں الجبرا کی بنیادی نصابی کتاب کے طور پر استعمال ہوتی رہی۔ یہ کتاب 820 عیسوی میں بغداد میں لکھی گئی تھی۔ اس کتاب کے عنوان میں موجود لفظ 'الجبر' سے انگریزی لفظ 'الجبرا' (Algebra) وجود میں آیا۔

الگورتھم (Algorithm) کا تصور: ان کے نام الخوارزمی کی لاطینی شکل (Algoritmi) سے لفظ (Algorithm) نکلا ہے، جو آج کل کمپیوٹر سائنس (Computer Science) اور مصنوعی ذہانت یعنی 'اے آئی' (AI=Artificial Intelligence) کی بنیاد ہے۔

ہندو-عربی اعداد کا فروغ: انھوں نے ہندستانی عددی نظام (0 تا 9) کو اسلامی دنیا میں متعارف کرایا اور اس کے استعمال کو فروغ دیا تھا۔ (0,1,2,3,4,5,6,7,8,9) اسی نظام نے بعد میں یورپ میں رومی اعداد کی جگہ لے لی تھی۔

...(بقیہ صفحہ 6 پر)

قارئین! اب 'ہماری زبان' کا مطالعہ انجمن ترقیِ اردو (ہند) کی ویب سائٹ www.atuh.org پر بھی کر سکتے ہیں جہاں اِسے مفت میں ڈاؤن لوڈ کرنے کی سہولت بھی موجود ہے۔

قسط نمبر:1

مسائلِ لغت وقواعد اور رشید حسن خاں کے فکری ابعاد

ڈاکٹر ابراہیم افسر

کسی بھی زبان کے املا، تلفظ، روز مرّہ، محاورات اور لفظوں کی صحیح ترتیب میں لغات وفرہنگوں کا کلیدی کردار ہے۔ ابتدا سے ہی اُردو زبان کے رمز شناسوں، ماہرینِ املا وزبان دانوں نے اس کے قواعد و ضوابط کی جانب کام کرنا شروع کیا۔ حالاں کہ ابتدا میں اُردو کی فرہنگ و لغت سازی کا کام فارسی زبان میں شروع ہوا، جس کا مقصد فارسی کے ذریعے عوام الناس کو اُردو کی قواعد سے روشناس کرانا تھا، لیکن بعد میں باقاعدہ اُردو زبان میں لغات وفرہنگیں تواتر کے ساتھ منظرِ عام پر آنا شروع ہوئیں۔ یعنی جیسے جیسے اُردو کے الفاظ کا ذخیرہ بڑھتا گیا ویسے ویسے اس زبان کے قواعد وضوابط کی ضرورت ماہرین کو محسوس ہونے لگی۔ میر عبدالواسع ہانسوی کو یہ شرف حاصل ہے کہ انھوں نے عہدِ عالم گیری میں اُردو کا اولین لغت 'غرائب اللغات' ترتیب دیا۔ اس لغت میں فارسی الفاظ کے معنی اُردو میں تحریر کیے گئے۔ اس لغت کو سب سے پہلے سراج الدین علی خاں آرزو نے 'نوادر الالفاظ' عنوان سے مرتب کیا جس میں عہدِ عالم گیری تا شاہ عالم ثانی کے زمانے تک کی زبانِ اُردو پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ (پنجاب یونی ورسٹی اورینٹل کالج، لاہور) نے 'نوادر الالفاظ' مع 'غرائب اللغات' کو سائنٹفک اصولوں کے تحت تصحیح وتحشیہ ومقدمہ کے ساتھ انجمن ترقی اُردو، پاکستان سے 1951 میں شائع کیا۔ اُردو میں لغات کے تدریجی منازل سے بحث کرتے ہوئے ڈاکٹر خلیق انجم لکھتے ہیں:

> ''اُردو کی ادبی ولسانی تہذیب کی یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ یہاں لسان روز مرہ کی درستی، اظہار کی صفائی، محاورے کی صحت اور بیان کی چستی پر تحریر وتقریر پر مسلسل غور کیا گیا ہے۔ میر عبدالواسع ہانسوی کی 'غرائب اللغات (تاریخ تصنیف، غالباً1690) کو بنیاد بنا کر خان آرزو نے 'نوادر الالفاظ' لکھی (زمانۂ تصنیف 48-1746) جس میں بعض لسانی مسائل بھی معرض گفتگو میں آئے۔ پھر شاہ حاتم نے اپنے مختصر لیکن اہم دیباچہ 'دیوان زادہ' (1755) میں معیاری زبان کے کچھ معاملات پر ضمنی اشارے کیے۔ سید انشا اور مرزا قتیل کی 'دریائے لطافت' (تاریخ تصنیف، 1807) ہماری پہلی کتاب ہے جس میں زبان کے اکثر پہلوؤں پر مفصل کلام کیا گیا ہے، لیکن اس سے کچھ پہلے مولانا باقر آگاہ نے اپنی مثنوی 'گلزارِ عشق' (1794) کے دیباچے میں اور واجد علی خاں یکتاؔ نے 'دستور الفصاحت' (زمانۂ تصنیف 1798 یا 1815) میں بھی کچھ لسانی تاریخی بحثیں اٹھائی تھیں۔ ان کتابوں کے بعد ایک طویل سلسلۂ تصنیفات ومقالات ہے جن میں لسان کی روز مرہ اور محاورۂ اہلِ زبان کو موضوع بنایا گیا۔''[1]

لغات میں عموماً کسی بھی زبان کی لفظیات، درجہ ومیلانات سے بحث حروفِ تہجی کے اعتبار سے کی جاتی ہے تاکہ قارئین کی درست لفظ و معنی سے ہم آہنگی ہو سکے۔ دوسرے لفظوں میں ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ لغت میں الفاظ کا درست املا، تلفظ، ماخذ، مادہ اور اصطلاحی معنی کی صحیح شکل کا اندراج ہوتا ہے۔ اہلِ زبان اپنی زبان کو درست اور فصاحت و بلاغت کے لیے لغات کے استعمال پر زیادہ توجہ دیتے ہیں۔ بعض ماہرین نے علمِ لغات کو لسانیات کی ایک اہم شاخ قرار دیا ہے۔ اس طرح لغات میں الفاظ کے صحیح تلفظ پر بھی خاص توجہ دی جاتی ہے۔

انگریزی زبان میں لغت کے لیے Dictionarious لفظ مستعمل ہے جو اطالوی زبان کا لفظ ہے۔ اسی لفظ سے Dictionary بنا جسے لغت کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ انگریزی زبان میں لغت نویسی کو Lexicography اور ماہرینِ لغات کو Lexicologist سے موسوم کیا گیا ہے، جن مستشرقین (Orientalists) نے لُغت نویسی میں طبع آزمائی کی اور اپنا نام جلی حروف میں لکھوایا ان میں جان گل کرسٹ، جان شیکسپیئر، ڈنکن فاربس، تھامس ریبوک، ڈبلیو فیلن، تھامس پلیٹس، گارساں دتاسی وغیرہ کے اسما قابلِ ذکر ہیں۔

اُردو میں فنِ لغات وفرہنگ کو بامِ عروج عطا کرنے والوں کی ایک طویل کہکشاں موجود ہے جنھوں نے اپنی محنتِ شاقہ سے اس فن کو جلا بخشی۔ ان لُغت وفرہنگ نویسوں میں سراج الدین خاں آرزو، انشاء اللہ خاں انشا، احد الدین بلگرامی، میر علی اوسط رشک، محبوب علی رام پوری، سید ضامن علی جلال، امام بخش صہبائی، نیاز علی بیگ نکہت، منشی چرنجی لال، عاشق لکھنوی، نور الحسن نیر، عبداللہ خویشگی، امیر مینائی، سید احمد دہلوی، اشرف علی اشرف، منشی لالتا پرساد شفق لکھنوی، عشرت لکھنوی، منیر لکھنوی، عبدالمجید، جعفر علی خاں اثر لکھنوی، مہذب لکھنوی، مولوی فیروز الدین، حکیم غلام جیلانی، مولوی عبدالحق، امتیاز علی خاں عرشی، ولی محمد خان، ڈاکٹر فرید برکاتی، ڈاکٹر مسعود حسین خاں، شمس الرحمٰن فاروقی، رشید حسن خاں، رؤف پاریکھ وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ اُردو اداروں میں ترقی اُردو بورڈ (کراچی)، مجلس ترقی ادب (لاہور)، قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، نئی دہلی، اُردو اکادمی (دہلی)، خدا بخش اورینٹل لائبریری (پٹنہ)، غالب انسٹی ٹیوٹ (نئی دہلی)، انجمن ترقی اُردو (ہند) نئی دہلی وغیرہ نے اردو املا، لغات اور فرہنگوں کو مناسب التزامات کے ساتھ شائع کیا ہے۔

مذکورہ بالا تمہیدی گفتگو کا مقصد رشید حسن خاں کے مسائلِ لُغت و زبان وقواعد کے فکری ابعاد کو قارئین کے سامنے پیش کرنا ہے۔ اُردو ادب میں نابغۂ روزگار شخصیت رشید حسن خاں کا شمار محقق، مدون، نقاد، مترجم اور املا شناس کے طور پر ہوتا ہے۔ انھوں نے اپنے ابتدائی ادبی زمانے سے ہی اُردو ادب کی مختلف اصناف پر قلم اٹھایا لیکن ان کے محبوب موضوعات میں اُردو املا، شعری زبان وفن اور لغات تھے۔ سہ ماہی رسالہ 'اُردو ادب' (انجمن ترقی اُردو ہند علی گڑھ) میں ان کے لغات واملا سے متعلق متعدد مضامین شائع ہوئے۔ ان کے مضامین کی اشاعت پر ناقدین وقارئین نے سخت ردعمل کا اظہار بھی کیا۔ حالاں کہ ان اختلاف سے بھی ادب کو فروغ حاصل ہوا۔ انھوں نے جتنے بھی کلاسکی متون کو مرتب کیا آخر میں لفظوں کا گوشوارہ فرہنگ کی شکل میں بالالتزام شامل کیا۔ اس طرح انھوں نے کلاسکی ادب کے متون کی قرأت کی آسانی کے لیے فرہنگ سازی کے باب میں کلیدی کردار ادا کیا۔ یہاں تک کہ شمس الرحمٰن فاروقی نے اپنے مشہور لغت 'لغاتِ روز مرہ' کے پیش لفظ میں اس بات کی صراحت ووضاحت کی کہ انھوں نے اپنے لغت کی تیاری میں رشید حسن خاں سے مشورہ کیا تھا[2] حالاں کہ یہ بات دیگر ہے کہ فاروقی صاحب نے اپنے لغت میں رشید صاحب کے املا سے اختلاف بھی کیا۔ رشید حسن خاں نے اپنے بعض مضامین جو صرف اور صرف لغات وقواعد کے اصول و ضوابط پر مبنی تھے، میں لغات کے بنیادی مسائل کو قارئین کے سامنے طشت ازبام کیا۔ انھوں نے اپنی مشہور کتاب 'اُردو املا' (اشاعت 1974) میں 'لُغت اور املا' کا ایک باب قائم کیا ہے۔ اس باب میں انھوں نے لغت کی تعریف، مطالیب ومفاہیم کے بارے میں لکھا ہے:

> ''لفظوں کے اجزائے ترکیبی، اُن اجزا کی ترتیب، معانی و مفاہیم، محلِ استعمال؛ یہ ساری معلومات لُغت سے حاصل ہونا چاہیے۔ ایک جامع لُغت میں لفظ کی سرگذشت بھی محفوظ ہونا چاہیے؛ یعنی یہ کہ مختلف ادوار میں، صورت اور معنی میں کیا کیا تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ لُغت، استناد کا اہم ترین ذریعہ ہوتا ہے۔ اختلافِ رائے کی صورت میں بھی آخر کار لُغت ہی کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے؛ اِس بِنا پر اُس میں ایسی تفصیلات کا محفوظ ہونا ازبس ضروری ہے۔''[3]

رشید حسن خاں کے مذکورہ بالا اقتباس سے ڈاکٹر مسعود ہاشمی نے اختلاف کرتے ہوئے لکھا کہ لُغت کی یہ تعریف 'لُغت' کی ماہیت اور نوعیت پر کسی قسم کی روشنی ڈالنے کے بجائے اسے اور بھی مبہم بنا دیتی ہے کیوں کہ لفظوں کے اجزائے ترکیبی' اور 'ان اجزا کی ترتیب' جیسے فقرے محلِ نظر ہیں کہ آخر موصوف کی ان سے مراد کیا ہے[4]۔ حالاں کہ پروفیسر نذیر احمد نے رشید حسن خاں کی کتاب 'اُردو اِملا' اور ان کی جملہ مساعی کی تعریف کرتے ہوئے لکھا کہ غرض املا کے مسائل خاصے پیچیدہ ہیں، لیکن حال میں رشید حسن خاں کی اہم کتاب کی اشاعت نے اس سلسلے کے اکثر مسائل حل کیے...، گو اختلاف کے دروازے بند نہیں ہوئے[5]۔ حالاں کہ رشید حسن خاں صاحب نے اپنے زمانے کے بعض لغات وفرہنگوں پر جو تحقیقی وتنقیدی مضامین لکھے ان کی روشنی میں یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ موصوف نے اپنے مضامین میں جو نکات قارئین کے سامنے پیش کیے، ان سے اختلاف کی گنجایش کم ہی ہے۔ لغات و فرہنگوں کے بارے میں رشید صاحب کے نظریات 'کلاسکی ادب کی فرہنگ' (جلد اوّل)، مصطلحات ٹھگی، اُردو املا، زبان وقواعد، گنجینۂ معنی کا طلسم وغیرہ کتابوں میں درج ہیں۔ وہ متن کی تشریح کے لیے قدیم لفظوں سے شناسائی کو لازمی قرار دیتے ہیں۔ ان کی نظر میں کلاسکی متون کا ہر لفظ 'گنجینۂ معنی کا طلسم' ہے اور اس طلسم سے قارئین کا روشناس ہونا ضروری ہے۔ ساتھ ہی وہ اس بات پر بھی زور دیتے ہیں کہ اس قدیم ادبی سرمایے کی حفاظت کی ذمے داری ہم سب کی ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے جس میں انھوں نے کلاسکی متون اور قدیم ادبی الفاظ کے ذخائر کی اہمیت وافادیت کے بارے میں لکھا ہے:

> ''بہت سے عام پڑھنے والے بھی ایسے الفاظ اور اُن کے معنوی متعلقات سے واقف ہو سکیں گے۔ ایک بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ کچھ ایسے پرانے لفظوں سے شناسائی ہو سکے گی جن کا چلن اب نہیں رہا، یا ان کے معنی بدل گئے ہیں۔ اس طرح یہ اندازہ ہو سکے گا کہ پرانے متنوں میں ایسے لفظوں کی کتنی بڑی تعداد محفوظ ہے جو ہماری تہذیبی سرگذشت کے دھندلے نشانات بن کر رہ گئے ہیں۔ ایسا مجموعہ اگر مرتب ہو گیا تو وہ گویا اشاریہ ہوگا، اِس ضرورت کا کہ کلاسکی متون کے ایسے لفظوں کو، جن کی تعداد بہت ہے، ممکن حد تک یک جا کر لیا جائے۔ اس طرح وہ معنوی تفصیلات محفوظ ہو جائیں گی جن سے آگے چل کر کم سے کم لوگ واقف ہوں گے۔''[6]

رشید حسن خاں نے اپنے خطوط میں لُغات، قواعد اور املا کے بعض مسائل پر خاصی طویل گفتگو احباب سے کی ہے۔ انھوں نے ان تحریری

مباحث سے بعض ادبی گتھیوں کو بہ آسانی سُلجھانے کی کامیاب کاوشیں کی ہیں۔ لغات و املا کے اختلافی مسائل پر قاضی عبدالودود، امتیاز علی خاں عرشی، مشفق خواجہ، مسعود حسن خاں، عقیل رضوی، خلیق انجم، شمس الرحمٰن فاروقی، اسلم محمود، گوہر نوشاہی، عارف نوشاہی، ڈاکٹر ٹی. آر. رینا، صابر علی غیرہ کے نام لکھے گئے مکتوبات اس بات پر دال ہیں کہ انھیں لغت، املا و قواعد کے موضوع پر وسیع علم و عبور حاصل تھا۔ جب ہم خاں صاحب کے مکتوبات کا بہ غور مطالعہ کرتے ہیں تو ان کے قلم سے نکلے نادر و نایاب الفاظ کے معنی، مطالب کے ذخائر اور ان کے صحیح استعمال کا طریقِ کار، قارئین کو اپنی جانب متوجہ کرتا ہے۔ راقم الحروف، رشید حسن خاں صاحب کے اُن چند خطوط کو قارئین کے سامنے پیش کرتا ہے جن میں لغات، قواعد، تلفظ و املا کے مسائل پر قلمی گفت و شنید کی گئی ہے۔

رشید حسن خاں نے 26 ستمبر 1994 کو اسلم محمود کے نام لکھے خط میں اس بات کی اطلاع دی کہ انھوں نے 'گلزارِ نسیم' کی تدوین کے بعد مولوی عبدالواسع ہانسوی کے قدیم ترین لغت 'غرائب اللغات' کی تدوین کا مصمم ارادہ کیا ہوا ہے[7]۔ اُردو کے کچھ معروف لفظوں کے تلفظ کے بارے میں رشید صاحب نے اسلم محمود کو 19 اکتوبر 1997 کو لکھا کہ خواب اور خواجہ، اِسی طرح خوار، خواہش، خواندگی؛ لفظوں کا تلفظ دو طرح سُننے میں آیا ہے اور آتا ہے۔ خاب (وغیرہ) اور خواب (معِ واوِ مخلوط)۔ اہلِ لکھنؤ خاب، خاہش وغیرہ کہتے سنے گئے ہیں؛ مگر بہت سے لوگ (جن میں میں بھی شامل ہوں) خواب، خواہش، خوار وغیرہ کہتے ہیں۔ میں دونوں کو صحیح اور فصیح تلفظ مانتا ہوں[8]۔ رشید حسن خاں نے اسلم محمود کو اپنے متعدد خطوط میں مصطلحاتِ ٹھگی کی تدوین اور اس سے متعلق دستیاب قدیم نسخوں کی فراہمی کے بارے میں لکھا ہے، لیکن 15 اگست 2004 کو لکھے ایک طویل خط میں اسلم محمود کو انھوں نے قدیم اُردو لفظوں کے ماخذ اور اصل صورت سے روشناس کرتے ہوئے لکھا:

''اَنفِیت (آواز کا غنہ پن) کا تعلق لہجے سے بھی ہوتا ہے۔ مثلاً دہلی میں دلّی والے عموماً 'کونچہ' کہتے ہیں، لکھتے ہیں: کوچہ۔ مرزا غالب نے اپنی کتاب 'تیغِ تیز' میں لکھا ہے: 'چانول... ہندی لفظ ہے۔ ثِقات اور شرفا مع النّون بولتے ہیں۔ بقّال بنیے بے نون بولتے ہیں۔' (یعنی مرزا صاحب کے حساب سے بنیے بقال ہوئے کہ 'چاول' کہتے ہیں۔ بہ قولِ مرزا صاحب شُرفائے دہلی 'چانول' کہتے تھے)۔ جلال لکھنوی نے اپنے لُغت سرمایۂ زبانِ اُردو میں لکھا ہے کہ جو لوگ 'گھاس' بولتے ہیں (نون غنہ کے بغیر)، یہ اُن کی غلطی ہے، یعنی 'گھانس' کہنا چاہیے۔ اس کے بر خلاف موٌلف نور اللغات نے لکھا ہے کہ 'عوام 'گھانس' نون غنہ کے ساتھ بولتے ہیں'، یعنی خاص لوگ اور پڑھے لکھے لوگ 'گھاس' کہتے ہیں۔ فرہنگِ آصفیہ میں 'گھاس' اور 'گھانس' دونوں ہیں اور کسی طرح کی وضاحت یا ترجیح کے بغیر۔ نفائس اللغات میں بھی اِسے دونوں طرح لکھا گیا ہے۔ غرض کہ بہت سے لفظوں میں غنائیت کا عمل دخل عام طور پر رہا ہے اور اب بھی ہے ایک حد تک، اِس کا تعلق لہجے سے ہے۔''[9]

اُمیش بہادر شریواستو فگار اُناوی کے نام 12 اپریل 2001 کو لکھے مکتوب میں رشید حسن خاں نے لفظوں کی ساخت، اس کے استعمال، ضمائر، زیر زبر کی وجہ سے حروف کی بناوٹ و تلفظ میں تبدیلی وغیرہ پر مفصل تبادلۂ خیال کرتے ہوئے لکھا:

''قاعدہ یہی ہے کہ جو لفظوں کے آخر میں الف ہوتا ہے یا ہائے مختفی، محرّف صورت میں، وہ آخری حرف ے سے بدل جاتا ہے۔ اِس کی اصل وجہ یہ ہوتی ہے کہ تلفظ بدل جاتا ہے، اِس طرح کہ الف، یاہ کے حرفِ ماقبل کا زبر، زیر سے بدل جاتا ہے (لڑکا، لڑکے)۔ اِس بنا پر زبر کے ساتھ جو حرف تھا جو زبر کی آواز کو قائم رکھتا ہے، حرکت بدلنے کی صورت میں ے سے بدل جاتا ہے جو زیر کی معاون آواز ہوتی ہے۔ رشتے دار، جیسے: نانا، چچا وغیرہ محض لفظ اس طرح نہیں بدلتے لیکن بھتیجا، بھانجا، لڑکا، بیٹا جیسے لفظ بدل جاتے۔ جیسے قسطنطنیہ، افریقہ، ایشیا، امریکا وغیرہ، مگر کلکتے میں، آگرے سے، پٹیالے جو جیسے ٹکڑوں میں بعض نام بدل جاتے ہیں۔ اِس بنا پر میں نے اصول یہ مان لیا ہے کہ جب جمع کی صورت میں یا کسی متعلق فعل (سے، کے، میں، نے وغیرہ) کے لفظ ساتھ آنے کی صورت میں جب حرفِ آخر پہلے والے حرف کا زبر، زیر سے بدل جائے (جیسے: مرثیہ، مرثیے، بیٹا، بیٹے وغیرہ) تب ایسے لفظ محرف صورت اختیار کر لیتے ہیں اور اُن کے آخر میں الف یاہ کی جگہ ے لکھی جائے گی۔''[10]

رشید حسن خاں نے ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی کے نام 25 مئی 1978 کو لکھے خط میں سراج الدین خاں آرزو کی تصانیف اور تذکروں میں ان کے احوال کے بارے میں سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ انھوں نے اس خط میں ان کے لغات سراج اللغتہ، نوادر الالفاظ، مثمر اور فارسی تذکرے شعرا مجمع النفائس کے بارے میں اپنا نقطۂ نظر واضح کرتے ہوئے لکھا:

''خان آرزو پر کوئی کتاب میری نظر سے نہیں گزری۔ غالباً نہیں لکھی گئی۔ خان آرزو کی غیر مطبوعہ تصانیف میں سراج اللغتہ، مثمر اور تذکرۂ فارسی شعرا مجمع النفائس پر کوئی خاتون تہران میں کام کر رہی ہیں۔ البتہ سراج اللغتہ اب تک محرومِ التفات ہے۔ یاد پڑتا ہے کہ زار یزدانی مرحوم کا ایک معمولی سا مقالہ آرزو پر نقوش کی کسی اشاعت میں شائع ہوا تھا۔ معارضۂ آرزو و حزیں پر قاضی عبدالودود صاحب کا مقالہ معاصر کی کسی اشاعت میں شائع ہو چکا ہے۔ آرزو کا لغت نوادر الالفاظ شائع ہو چکا ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ نے اسے مرتب کیا تھا۔ اس پر مفصل مقدمہ بھی لکھا ہے۔ تذکروں میں آرزو کا حال عام طور پر ملتا ہے، سارے مؤخر تذکروں میں، خاصی تفصیل کے ساتھ۔ خود آرزو نے مجمع میں اپنے حالات لکھے ہیں اور اُن کے شاگرد خوشگو نے اپنے تذکرے سفینۂ خوشگو میں بہت کچھ لکھا ہے۔ اس تذکرے کے لیے آرزو نے اپنے حالات خود لکھ کر بھیجے تھے۔''[11]

رشید صاحب نے ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی کو 4 اگست 1978 کو لکھے خط میں خان آرزو اور مولانا صہبائی کی علمی و ادبی فتوحات اور دونوں کے ادبی وقار و افتخار کے بارے میں لکھا ہے۔ رشید صاحب کی نظر میں خان آرزو، صہبائی کے مقابلے ادب و لسانیات کے میدان میں اپنا منفرد و خاص مقام رکھتے ہیں۔ خود کو انھوں نے ان دونوں عالموں کی خاکِ پا کے مقابلے میں ہیچ گردانا ہے۔ رشید صاحب لکھتے ہیں کہ جب لوگوں کے ذہن میں لسانیات اور الفاظ کے درست استعمال کا تصور بھی نہیں تھا اُس زمانے میں خان آرزو نے اس جانب اپنی توجہ مبذول کی اور لوگوں کو لسانیات پر کام کرنے کے لیے آمادہ کیا۔ انھوں نے اپنے زمانے میں ایرانی فارسی کے اسلوب و آہنگ پر ہندوستانی فارسی کے اسلوب و آہنگ کو ترجیح دی۔ اس اہم خط کا ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے جس میں مذکورہ بالا باتوں کے علاوہ لغات و لسانیات پر قلمی گفتگو کی گئی ہے:

''دیکھیے صاحب آرزو اور صہبائی کا شمار اپنے عہد کے افاضل میں تھا۔ چشمک اور طرف داری سے قطع نظر، یہ لوگ عالم تھے۔ ہم لوگ تو ان کی خاکِ پا کے برابر بھی نہیں۔ آرزو کا مرتبہ بڑا تھا، وہ صحیح معنی میں نابغہ تھے۔ جس زمانے میں لوگ لسانیات سے نا آشنا تھے، کیوں کہ یہ علم ہی عالمِ وجود میں نہیں آیا تھا؛ اُس زمانے میں آرزو نے توافق لسانین کا نظریہ دریافت کیا اور اس پر ایک مکمل کتاب 'مثمر' لکھی۔ علمِ لُغت میں جہانگیری اور رشیدی کا ڈنکا بج رہا تھا۔ رشیدی نے جہانگیری کی اغلاط کی نشان دہی کی تھی؛ آرزو نے سراج اللغتہ میں ان دونوں پر تنقید کی، محاکمہ کیا اور ایک اعلا لُغت داں کی طرح اپنا لُغت لکھا۔ یہ لُغت اِس قابل ہے کہ فخر کے ساتھ آج بھی اہلِ زبان کے سامنے پیش کیا جاسکتا ہے۔ خود چراغِ ہدایت اپنے موضوع پر منفرد ہے۔ اُردو کا سب سے اہم لُغت اُس عہد کے لحاظ سے انھیں نے مرتب کیا تھا نوادر الالفاظ کے نام سے، یہ چھپ چکا ہے اور 'زبانِ گوالیاری' کا مستند مرقع ہے۔ فارسی کا ضخیم ترین تذکرہ ہندستان میں انھیں نے مرتب کیا۔ مجمع النفائس کے نام سے، لیکن سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اپنے عہد میں نہایت ذہین لوگوں کی ادبی تربیت کی۔ محمد حسین آزاد کا یہ قول بالکل درست ہے کہ جب تک منطقی ارسطو کے عیال کہلائیں گے، اُردو کے شعرا و ادبا آرزو کے فیض یافتہ کہے جائیں گے۔ ذرا دیکھیے تو کہ میر، سودا، آبرو، خوشگو جیسے شعرا کی اُنھیں نے تربیت کی تھی۔ کیا صرف یہی ایک بات ان کی عظمت کو ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں۔ لیکن آرزو کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ ہند-ایرانی نزاع کے سلسلے میں اُنھوں نے مجتہد کا رول ادا کیا۔ آپ اُن کی زبان پر نام رکھتے ہیں، خوب! آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہندستان میں فارسی کا اسلوب اور آہنگ ہمیشہ ایران سے مختلف رہا ہے اور آرزو نے اسی پر زور دیا تھا۔ پھر یہ کیسی زیادتی ہے کہ وہ ان کی زبان کا موازنہ آج کی فارسی سے کر رہے ہیں، اسے کہتے ہیں ستم ظریفی۔''[12]

رشید حسن خاں نے اپنے مکتوبات میں بار بار اس جانب اشارہ کیا ہے کہ وہ عبدالواسع ہانسوی کے لغت 'غرائب اللغات' کو مرتب کرنا چاہتے ہیں۔ اس پر انھوں نے کام بھی کرنا شروع کر دیا تھا، لیکن ان کا یہ اہم پروجیکٹ نامکمل ہی رہا۔ لیکن اپنے احباب سے وہ اس لُغت کی تدوین کے بارے میں خط و کتابت کرتے رہے۔ ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی کے نام 3 جون 1994 کو لکھے خط میں انھوں نے عبدالواسع ہانسوی کی شخصیت اور ان کے لُغت 'غرائب اللغات' کے بارے میں چند سطریں رقم کی ہیں۔ یہ اہم باتیں چوں کہ لُغت سے متعلق ہیں، اس خط کی چند سطریں ملاحظہ کیجیے:

''ایک صاحب تھے مولوی عبدالواسع ہانسوی، مشہور آدمی تھے، عہدِ عالم گیر کے۔ ان کی قواعد فارسی کا رسالہ شاملِ نصاب رہا ہے اور بار بار چھپا ہے۔ میرے پاس بھی ہے۔ انھوں نے کئی کتابیں لکھی تھیں، شرح بوستان، شرح یوسف زلیخا۔ مگر ان کی دو اہم کتابیں ہیں غرائب اللغات، یہ فارسی زبان میں لکھا ہوا اُردو کا لُغت ہے اور کسی ہندستانی کا لکھا ہوا قدیم ترین لُغت ہے۔ دوسرا ایک نصاب نامہ ہے: صمد باری، عرف جان پہچان۔ میں غرائب اللغات کو مرتب کرنا چاہتا ہوں، علی گڑھ میں اس کا ایک خطی نسخہ ہے، اُس کا عکس میں نے منگا لیا تھا۔ آپ میری خاطر زحمت کر کے دو باتیں معلوم کر دیجیے، ایک تو یہ کہ انڈیا آفس، پرِیس میوزیم اور حیدرآباد کے سالار جنگ میوزیم میں غرائب اللغات کے خطی نسخے ہیں؟ اُن کی فہرست چاہیے ہمیں۔ ایک یا دو جو بھی ہوں۔ یہ لُغت خطی ہے، آج تک چھپا نہیں۔ ان تینوں کتاب خانوں کی فہرستیں آزاد لائبریری میں ہوں گی، بس انھیں جا کر دیکھ لیجیے۔ دوسرے یہ کہ صمد باری عرف جان پہچان کہیں ہے؟ ممکن ہے خود آزاد لائبریری میں ہو۔ میں بہت ممنون ہوں گا اگر یہ معلومات حاصل ہو سکے۔''[13]

حالاں کہ رشید صاحب نے 11 اپریل 1998 کو گیان چند جین کے نام لکھے مکتوب میں اس جانب واضح اشارہ کیا کہ ... (بقیہ صفحہ 7 پر)

اردو دُنیا

اردو زبان کو اس کا جائز مقام دلانے کے لیے
اردو نمائندوں کا اجلاس

حیدرآباد (16 جون)۔ نئے تعلیمی سال کے آغاز پر مدارس و کالجوں میں تعلیمی سلسلہ شروع ہوگیا ہے۔ اردو زبان کو اس کا جائز مقام دلانے کے لیے اردو نمائندوں کا ایک اجلاس جناب محمد اسماعیل الرب انصاری المعروف بہ اردو انصاری کی قیام گاہ واقع ہاؤسنگ بورڈ بھاگیہ نگر کالونی معظم جاہی مارکیٹ میں منعقد کیا گیا۔ اس اجلاس میں اردو زبان دن بہ دن زوال پذیر ہوتی جارہی ہے، اس پر تشویش و تردد کا اظہار کرتے ہوئے فیصلہ کیا گیا ہے کہ نئے تعلیمی سال کے آغاز سے دونوں شہروں کے مختلف محلّوں میں اردو تنظیموں کے نمائندے گھر گھر پہنچ کر نئی نسل کو اردو تعلیم سے آراستہ کرنے کے لیے ایک مہم کا آغاز کریں گے۔ اس اجلاس کی صدارت مجاہدِ اُردو جناب ایس. کے. افضل الدین (سابق نائب صدر اردو اکیڈمی) نے کی۔ جناب محمد اسماعیل الرب انصاری نے کہا کہ ہم ماضی کی عظیم روایات رکھتے ہیں، اس لیے اردو کی تعلیم کا سلسلہ اپنے گھر سے شروع کیا جانا چاہیے۔ اس اجلاس سے ڈاکٹر محمد اعجاز الزماں (سکریٹری ٹی پی سی سی، سابق)، عرشیہ ناہید (کنویز شعبۂ خواتین)، تحسین ساجد خاں (جنرل سکریٹری شعبۂ خواتین)، اسما ابراہیم (جنرل سکریٹری ٹی پی سی سی)، مہیلا کانگریس سیّد مجتبیٰ عابدی (صدر اردو کونسل)، صاحبزادہ میر وقار الدین علی خاں (ممتاز ایجوکیشنل سوسائٹی)، محمد ساجد بن عبدالعزیز، جناب محمد ثناء اللہ خاں (ممتاز سماجی جہدکار) اور جناب اعجاز قریشی، جناب عبدالقادر (سینئر قائد کانگریس)، سیّد افتخار (سابق ڈائرکٹر ہاؤسنگ بورڈ کالونی بھاگیہ نگر) اور جناب محمد بشیر علی (مادنا پیٹ پیس کمیٹی) نے خطاب کیا۔ شرکائے اجلاس نے آخر میں سرپرستوں پر زور دیا کہ وہ انگریزی میڈیم میں بھی داخلہ دلوائیں تب بھی اپنی مادری زبان اردو کا نصاب دلوائیں تاکہ اردو کی ترقی و ترویج میں اضافہ ہو۔ (رہنمائے دکن۔ حیدرآباد)

ارائیں اکیڈمی کے اجلاس میں تعلیمی ترقی پر زور

نئی دہلی (22 جون)۔ ارائیں اکیڈمی آف ایکسیلنس کے قیام اور اس کے لیے فنڈ ریزنگ کے مقصد سے ایک اہم اجلاس جامعہ ملیہ اسلامیہ کے آڈیٹوریم میں منعقد ہوا۔ اس پروگرام میں ارائیں برادری کے معزز افراد، ماہرینِ تعلیم، سماجی کارکنان، مخیّر حضرات، پیشہ ور شخصیات اور مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے کمیونٹی رہنماؤں نے شرکت کی۔ پروگرام کا آغاز شاذیب مصباحی ملک کی تلاوتِ کلام پاک سے ہوا۔ پروگرام کی نظامت محمد یوسف نے کی۔ انھوں نے حاضرین کا خیر مقدم کرتے ہوئے تعلیم کی اہمیت اور اجتماعی کوششوں کے ذریعے قوم کی ترقی پر زور دیا۔

صدارتی خطاب میں محمد نسیم احمد (سابق پاسپورٹ آفیسر، بریلی) اور صدر ارائیں اکیڈمی نے سائنسی سوچ، کمپیوٹر سائنس اور جدید تعلیم کی ضرورت پر روشنی ڈالی۔ انھوں نے کہا کہ اکیڈمی کا مقصد ایک ایسا معیاری تعلیمی ادارہ قائم کرنا ہے جو قوم کی تعلیمی اور سماجی ترقی کا مرکز بنے۔ پروگرام کے مہمانِ خصوصی خطیب احمد (چیئرمین اتراکھنڈ حج کمیٹی) نے اس اقدام کو قوم کی ترقی کی جانب ایک مثبت اور دوررس قدم قرار دیتے ہوئے ارائیں اکیڈمی آف ایکسیلنس کے قیام کی بھرپور حمایت کا اظہار کیا۔ محمد نسیم (چیر پیٹرن ارائیں اکیڈمی) نے دہلی چیپٹر اور اکیڈمی کو اس کامیاب پروگرام کے انعقاد پر مبارک باد پیش کی اور برادری کے تمام افراد سے اپیل کی کہ وہ مجوزہ اسکول کے قیام میں بھرپور تعاون کریں۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے شعبۂ قانون کے پروفیسر محمد اسد ملک نے جدید دور کے تعلیمی چیلنجز پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ مستقل مزاجی، واضح وژن اور معیاری تعلیم کسی بھی ادارے کی کامیابی کی بنیاد ہیں۔

اس موقعے پر تنظیم کے بانی رکن ڈاکٹر شاہنواز احمد ملک نے اکیڈمی آف ارائیں اسٹڈیز اینڈ ریسرچ سوسائٹی کی تاریخ اور اس کے قیام کے مقاصد پر روشنی ڈالی۔ پروگرام کے دوسرے اجلاس کی نظامت صبا پروین نے کی۔ دہلی چیپٹر کی تنظیمی کمیٹی میں ڈاکٹر محمد شمیم، محمد احمد، طاہر ملک، شکیل احمد، خطیب احمد (انجینئر غازی آباد)، شبانہ رحمان، صبا پروین، ناصر حسین، شاداب احمد، عبدالواسع اور خسرو اقبال شامل تھے جنھوں نے پروگرام کی کامیابی میں نمایاں کردار ادا کیا۔

(انقلاب۔ دہلی)

تیسری زبان پڑھانے کی ابتدا چھٹی جماعت سے ہونی چاہیے: سپریم کورٹ

عدالتِ عظمیٰ کا ماننا ہے کہ بورڈ امتحانات کی تیاری کے دور میں نئی زبان لازمی کرنے سے طلبہ پر اضافی دباؤ پڑ سکتا ہے

نئی دہلی (16 جولائی)۔ سپریم کورٹ میں سہ لسانی پالیسی سے متعلق عرضیوں پر سماعت کے دوران جسٹس بی وی ناگرتنا نے کہا کہ اگر کسی تیسری زبان کو پڑھانا ہے تو اس کا آغاز چھٹی جماعت سے ہی ہونا چاہیے نہ کہ نویں جماعت سے۔ انھوں نے مزید کہا کہ بورڈ امتحانات کی تیاری کے دور میں نئی زبان لازمی کرنے سے طلبہ پر اضافی دباؤ پڑ سکتا ہے۔ یہ تبصرہ تمل ناڈو حکومت کی اس اپیل پر سماعت کے دوران سامنے آیا ہے جس میں ریاست میں 'جواہر نوودیہ ودیالیوں' کے قیام اور سہ لسانی پالیسی کو لے کر اٹھائے گئے اعتراضات پر غور کیا جارہا تھا۔ 16 جولائی 2026 کو سی بی ایس ای کے نصاب کے تحت نویں جماعت کی سطح پر تیسری زبان کے آغاز پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے جسٹس بی وی ناگرتنا نے کہا کہ اس سے بورڈ امتحانات کی تیاری کرنے والے طلبہ پر غیر ضروری دباؤ پڑتا ہے۔ یہ تبصرہ ریاست کے ہر ضلع میں جواہر نوودیہ ودیالیوں (جے این وی) کے قیام کو آسان بنانے کے مدراس ہائی کورٹ کے حکم خلاف تمل ناڈو حکومت کی اپیل کی سماعت کے دوران کیا گیا۔ تمل ناڈو نے اسکولوں کی جانب سے اپنائی جانے والی سہ لسانی پالیسی پر خدشات کا حوالہ دیتے ہوئے جواہر نوودیہ ودیالیہ یعنی جے این وی کے قیام کی مسلسل مخالفت کی ہے۔ واضح رہے کہ اس معاملے میں سی بی ایس ای کی لسانی پالیسی کی قانونی حیثیت براہِ راست زیرِ بحث نہیں تھی۔ جسٹس ناگرتنا نے سماعت کے دوران تیسری زبان شروع کرنے کے وقت پر متعدد تبصرے کیے۔ اُنھوں نے کہا کہ اس پالیسی میں ہندی کو تیسری زبان کے طور پر لازمی قرار نہیں دیا گیا ہے۔ اُنھوں نے مزید کہا کہ ریاست کی زبان سکھائی جانی چاہیے، انگریزی اور کوئی بھی تیسری زبان پڑھائی جانی چاہیے۔ پالیسی میں کہیں بھی یہ نہیں کہا گیا کہ تیسری زبان لازماً ہندی ہی ہو۔ ہائی کورٹ میں درخواست گزار این جی او کی وکیل جی پریہ درشنی نے بتایا کہ قومی تعلیمی پالیسی میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ کسی بھی ریاست پر کوئی زبان مسلط نہیں کی جانی چاہیے۔ جسٹس ناگرتنا نے ریاست سے پوچھا کہ آپ ہندی نہیں چاہتے، لیکن اگر یہ سنسکرت ہے تو پھر مسئلہ کیا ہے؟ ریاست کے وکیل نے جواب دیا کہ تیسری زبان صرف نویں جماعت سے لازمی ہوتی ہے۔ اس معاملے پر جسٹس ناگرتنا نے کہا کہ اگر کوئی بھی تیسری زبان پڑھائی جانی ہے تو اسے چھٹی جماعت سے ہی پڑھایا جانا چاہیے۔ معاملے کی اگلی سماعت 11 اگست کو ہوگی۔ نئی تعلیمی پالیسی 2020 کے تحت سی بی ایس ای نے ملحقہ اسکولوں میں سہ لسانی پالیسی کو نافذ کیا ہے۔ اس پالیسی کے تحت سی بی ایس ای سے وابستہ اسکولوں کے طلبہ کو تین زبانیں پڑھنی ہوں گی، جو لازمی ہوں گی۔ ان تین زبانوں میں دو ہندستانی زبانیں پڑھنا لازمی ہے جب کہ ایک غیر ملکی زبان ہوگی۔ سی بی ایس ای نے زبانوں کو آر1، آر2 اور آر3 زمروں میں تقسیم کیا ہے۔ آر1 میں ذریعۂ تعلیم اور مادری زبان شامل ہے، جب کہ آر2 میں طلبہ کی طرف سے منتخب کی گئی دوسری ہندستانی زبان رکھی گئی ہے اور تیسری زبان میں غیر ملکی زبانوں کو رکھا گیا ہے۔ رواں سیشن سے لسانی پالیسی کو نافذ کر دیا گیا ہے، حالاں کہ فی الحال دسویں جماعت تک کے طلبہ کو اس سے راحت دی گئی ہے۔

(ہندستان ایکسپریس۔ دہلی)

کرشن بہاری نوؔر کے ذکر کے بغیر اردو زبان مکمل نہیں ہوسکتی: پروفیسر اختر الواسع

اردو گھر میں منعقد پُروقار تقریب میں نوّر کے کلیات 'من مرشد' کا اجرا

نئی دہلی (15 جولائی)۔ برج نارائن چکبستؔ، رگھوپتی سہائے فراقؔ اور کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ کی طرح کرشن بہاری نوؔر کے بغیر اردو زبان مکمل نہیں ہوسکتی۔ ان خیالات کا اظہار پروفیسر اختر الواسع نے کرشن بہاری نوؔر کے کلیات 'من مرشد' کی تقریبِ اجرا میں کیا، جس کا انعقاد اردو گھر میں عبارت پبلی کیشن نے کیا تھا۔ انھوں نے کہا کہ جس طرح امیر خسروؔ اردو ہندی دونوں بھاشاؤں کے جنک تھے، اسی طرح کرشن بہاری نوؔر نے ان دونوں زبانوں کو ایک کردیا۔ تقریب کی صدارت معروف ہندی کوی اور گیت کار بال سروپ راہیؔ نے کی۔ انھوں نے کرشن بہاری نوؔر کی یادوں کے حوالے سے ان کے تخلیقی امتیازات پر روشنی ڈالی۔ کرشن بہار نوؔر کے صاحبزادے کنور ارون کمار نے ان کے ادبی ورثے کے تحفظ کے لیے کتاب کے مرتّب و مدوّن معین شاداب اور ناشر سلام الدین خان کی کوششوں کو سراہا۔ انھوں نے اپنے آنجہانی والد کرشن بہاری نوؔر کو جذباتی خراجِ عقیدت پیش کیا۔

منفرد رنگ و آہنگ کے شاعر کرشن بہاری نوؔر کے ادبی مقام اور 'من مرشد' کی معنویت کے حوالے سے پروفیسر شہپر رسول، منصور عثمانی، ایڈوکیٹ خلیل الرحمٰن، پروفیسر اخلاق آہن اور حقانی القاسمی نے بھی اظہارِ خیال کیا۔ پروفیسر شہپر رسول نے کہا کہ کرشن بہاری نوؔر کی خوبی یہ ہے کہ وہ سہلِ ممتنع میں شعر کہتے تھے اور ان کی شاعری زندگی کی تنظیمِ نو کرتی ہے۔ دیگر مقررین نے بھی اس بات کا اعادہ کیا کہ نوؔر اپنی تخلیقات میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

جلسے کی نظامت کرتے ہوئے ڈاکٹر شفیع ایوب نے کرشن بہاری نوؔر کی شخصیت اور فن کی مختلف جہات کو اجاگر کیا۔ کتاب کے مرتّب و مدوّن معروف شاعر و ادیب معین شاداب نے کلیات کی تدوین و ترتیب کے مراحل و مسائل کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ کرشن بہاری نوؔر کی شاعری محبت، انسان دوستی، تہذیبی شعور اور زبان کی لطافت کا حسین امتزاج ہے، جسے نئی نسل تک پہنچانا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اشاعتی ادارے عبارت پبلی کیشن کے بانی سلام الدین خان نے خیر مقدمی کلمات میں 'من مرشد' کی اشاعت کو کرشن بہاری نوؔر کی ادبی خدمات کے تئیں شایانِ شان خراجِ عقیدت سے تعبیر کیا۔ (انقلاب۔ دہلی)

غالب انسٹی ٹیوٹ کے زیرِ اہتمام ’خطوط غالب انتخاب‘ مرتّبہ: پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی پر مذاکرے کا انعقاد

نئی دہلی (20 جون)۔ غالب انسٹی ٹیوٹ نے اردو کے سینئر استاد اور ناقد پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی کی کتاب ’خطوط غالب انتخاب‘ دسمبر 2025 میں شائع کی تھی جس کی ادبی حلقوں میں خوب پذیرائی ہوئی۔ اسی کتاب پر غالب انسٹی ٹیوٹ نے ایک مذاکرے کا انعقاد کیا۔ جلسے کی صدارت سابق صدر شعبۂ اردو جامعہ ملیہ اسلامیہ پروفیسر وہاج الدین علوی نے کی۔ اس موقع پر پروفیسر علوی نے کہا غالب محمد شاہی عہد میں جوان ہوئے، انگریزوں کا دور دیکھا، غدر کا ہنگامہ دیکھا دو بڑی اور مختلف تہذیبوں کی آویزش دیکھی اس نے ان کے ذہن میں غیر معمولی کشادگی پیدا کی اور اس کا اظہار ان کی شاعری کے علاوہ خطوط میں بخوبی ہوا ہے۔ پروفیسر قدوائی نے خطوط کے انتخاب میں بڑی جزرسی کا ثبوت دیا ہے، اس لحاظ سے یہ انتخاب پہلے کے تمام انتخاب سے الگ تجربے کا احساس کراتا ہے۔ پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی نے کہا: مجھے خوشی ہے کہ اس کتاب کے بہانے مجھے ان دوستوں سے ملنے کا موقع ملا جن کی یاد تو آتی ہے لیکن ملاقات کا موقع کم ہی ملتا ہے۔ آج کتاب کے جن پہلوؤں پر بات ہوئی ان کی روشنی میں میں دوبارہ اس انتخاب کا مطالعہ کروں گا۔ پروفیسر شہپر رسول نے کہا: انتخاب میں ہمیشہ یہ گنجائش رہتی ہے کہ ایک شخص جس بات کو اہمیت دے دوسرا اسے غیر اہم قرار دے۔ کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی بات کو ایک ایسا زاویہ دے دیا جاتا ہے جو پڑھنے والے کے ذہن کی پیداوار ہوتا ہے۔ مثلاً اردو کے ایک گیانی پروفیسر نے غالب کے ایک خط کو بنیاد بنا کر ان پر تعصب کا الزام لگایا جس کی کوئی بنیاد سرے سے نہیں تھی۔ ڈاکٹر خالد علوی نے کہا: میں نے اس انتخاب کا کلیات خطوط غالب سے موازنہ کیا کہ یہ سمجھ سکوں کہ پروفیسر قدوائی نے کن خطوط کو چھوڑ دیا ہے۔ ایک بات یہ سمجھ میں آئی کہ غالب کے خطوط میں کئی بار تکرار کی کیفیت ہے۔ قدوائی صاحب نے ان خطوط کو انتخاب میں شامل نہیں کیا جن میں تکرار کی کیفیت ہے، جن خطوط میں غیر ضروری طوالت ہے ان کو بھی انتخاب سے دور رکھا ہے۔ غالب کے خطوط کو مجموعی طور پر پڑھنے سے جو تاثر قائم ہوتا ہے، اس انتخاب میں اس طلسم کو باقی رکھا گیا ہے، یہ اس انتخاب کی نمایاں خوبی ہے۔ پروفیسر احمد محفوظ نے تاثرات پیش کرتے ہوئے کہا: غالب کی شاعرانہ عظمت سب پر عیاں ہے لیکن ان کے خطوط بھی تہذیبی، سیاسی، معاشرتی مطالعے میں بلند مقام رکھتے ہیں۔ ہم اردو والوں کی بدقسمتی ہے کہ غالب کے علاوہ دوسرے شعرا مثلاً میر، سودا، ذوق وغیرہ کے خطوط کا کوئی سراغ نہیں ملتا لیکن اس کمی کی تلافی خطوطِ غالب سے کسی حد تک ہو جاتی ہے۔ ایک سوال میرے سامنے یہ تھا کہ خلیق انجم کی مرتبہ کلیات خطوط غالب اور انتخاب خطوطِ غالب کی موجودگی میں اس انتخاب کی کیا ضرورت تھی۔ لفظ انتخاب خود بتاتا ہے کہ ایک انتخاب کے بعد دوسرے انتخاب کی ضرورت بہر حال رہتی ہے۔ پڑھے ہوئے متن کو دوبارہ پڑھنا پہلے تجربے سے مختلف ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک انتخاب کو پڑھنے کے بعد اکثر یہ ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ دوسرے زاویے سے بھی انتخاب مرتب ہو سکتا ہے۔ غالب انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر ڈاکٹر ادریس احمد نے مہمانوں کا استقبال کرتے ہوئے کہا: غالب انسٹی ٹیوٹ نے غالب کے خطوط کو کلیات کی شکل میں بھی شائع کیا ہے اور انتخاب کی شکل میں بھی۔ پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی کو ہم نے دیکھا ہے کہ اس انتخاب کے دوران وہ صبح گیارہ بجے غالب انسٹی ٹیوٹ آ جاتے تھے اور دیر تک صرف یہی کام کرتے تھے۔ اس انتخاب کی تیاری کے دوران ہم نے انھیں بڑا پر جوش پایا۔ اس طرح میں کہہ سکتا ہوں کہ آپ کا ان خطوط سے صرف ادبی تعلق نہیں ہے بلکہ زندگی کے تئیں غالب کا جو مثبت رویہ تھا وہ غالب اور قدوائی صاحب کے درمیان مشترک ہے۔ اس موقعے پر علم وادب کی کئی مقتدر شخصیات موجود تھیں۔

ادبی تقریبات نئی نسل کو تہذیب وثقافت سے جوڑنے کا موثر ذریعہ ہیں: محمد پرویز عالم

نئی دہلی/ دہرہ دون (16 جون)۔ قلم سادھنا فاؤنڈیشن کی جانب سے ’انترا‘ (میکس) کے تعاون سے معروف شاعر پدم بھوشن گوپال داس نیرج، پدم شری بیکل اُتساہی اور پدم شری ڈاکٹر بشیر بدر کی یاد میں انترا آڈیٹوریم میں ایک کوی سمّیلن و مشاعرہ منعقد کیا گیا۔ تقریب میں اتراکھنڈ کے اکاؤنٹنٹ جنرل محمد پرویز عالم (آئی اے ایس) نے بطورِ مہمانِ خصوصی شرکت کی۔ اپنی تقریر میں محمد پرویز عالم نے کہا کہ ادبی تقریبات سماج کو نئی سمت دینے اور نئی نسل کو اپنی تہذیب وثقافت سے روشناس کرانے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ انھوں نے کہا کہ ہماری ملی جلی گنگا جمنی تہذیب پوری دنیا میں منفرد حیثیت رکھتی ہے، اسی لیے دنیا بھر کے لوگ ہندستانی ثقافت، ادب اور موسیقی سے متاثر ہوتے ہیں۔ پرویز عالم نے معروف شاعر گوپال داس نیرج، بیکل اتساہی اور ڈاکٹر بشیر بدر کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ یہ تینوں شخصیات ہندستانی ادب کا فخر اور قیمتی سرمایہ ہیں۔ تقریب کی صدارت ادیب بدھی ناتھ مشرا نے کی، جب کہ اترپردیش کی ایڈیشنل ڈسٹرکٹ جج اور شاعرہ مینا خان مہمانِ خصوصی تھیں۔ مینا خان نے اپنی تقریر میں کہا کہ شاعری دلوں کو جوڑنے کا ایک موثر ذریعہ ہے اور یہ احساسات وجذبات کی ایسی دنیا ہے جہاں ذات، مذہب، طبقے اور عہدے کی تفریق ختم ہو جاتی ہے اور صرف انسانیت ہی سب سے بلند مقام پر ہوتی ہے۔ پروگرام کی نظامت اتراکھنڈ گوروسمّان یافتہ اور شاعر افضل منگلوری نے کی۔ انھوں نے بتایا کہ فاؤنڈیشن کی سرگرمیوں میں ہندی، اردو اور پنجابی زبانوں کے شعرا وادبا کو یکساں طور پر شامل کیا جاتا ہے۔ پروگرام کے اختتام پر وکاس وششٹ نے تمام مہمانوں، شعرا، ادبا اور حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ (انقلاب۔ دہلی)

اردو کارواں کے زیرِ اہتمام دوروزہ عالمی آن لائن سمینار

بیڑ (7 جولائی)۔ اردو کارواں کے زیرِ اہتمام معروف شاعر بشیر بدر کی شخصیت اور فن پر منعقدہ دوروزہ عالمی آن لائن سمینار علمی، تنقیدی اور تحقیقی مباحث کے ساتھ اختتام پذیر ہو گیا۔ مختلف اختتامی اجلاسوں میں ملک کی ممتاز جامعات کے اساتذہ، محققین اور بیرونِ ملک سے شریک ریسرچ اسکالروں نے بشیر بدر کی شاعری کے مختلف فنی، فکری اور تنقیدی پہلوؤں پر تحقیقی مقالات پیش کیے۔ چوتھے اجلاس کے صدر ڈاکٹر عبدالرب استاد نے مقالہ نگاروں کے مقالات کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا کہ ’بشیر بدر کی شاعری مشرقی روایتوں کی امین ہے اور ہمارے معاشرے کے حالات، احساسات اور اقدار کی بھرپور عکاس ہے۔‘ اس اجلاس کے صدر پروفیسر غلام سرور ساجد (شعبۂ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) نے کہا کہ ’اچھا شاعر خود اپنا ناقد ہوتا ہے، اور بشیر بدر میں یہ وصف بدرجۂ اتم موجود تھا۔‘ انھوں نے اس بین الاقوامی سمینار کے کامیاب انعقاد پر اردو کارواں کو مبارک باد پیش کرتے ہوئے اپنی شرکت کو باعثِ اعزاز قرار دیا۔ پانچویں اجلاس کے صدر نیپال کے معروف شاعر اور ادیب ڈاکٹر ثاقب ہارونی نے کہا کہ جدید شاعری کی اہمیت اپنی جگہ مسلّم ہے، تاہم روایتی شاعری کی اپنی مستقل شناخت اور ادبی وقعت ہے جسے عربی و فارسی الفاظ کی آمیزش کی بنیاد پر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ چھٹے اجلاس میں پروفیسر ستار (سابق رجسٹرار مولوی عبدالحق یونیورسٹی، کرنول) اور پروفیسر عطاء اللہ خاں سنجری (کیرلا) نے مقالات کا تنقیدی جائزہ لیا۔ سمینار میں ملک کی تقریباً پچیس جامعات کے شعبہ ہائے اردو سے وابستہ ریسرچ اسکالروں نے اپنے تحقیقی مقالات پیش کیے جب کہ بیرونِ ملک تہران (ایران) سے ریسرچ اسکالر سمیرا گیلانی نے ’بشیر بدر کی شاعری ناقدوں کی آرا کے آئینے میں‘ کے عنوان سے اپنا مقالہ پیش کر کے سمینار کو بین الاقوامی رنگ عطا کیا۔ اختتامی اجلاس کی صدارت چودھری چرن سنگھ یونیورسٹی، میرٹھ کے صدرِ شعبۂ اردو ڈاکٹر اسلم جمشید پوری نے کی۔ انھوں نے اپنے صدارتی خطاب میں بشیر بدر کی شخصیت، شاعری اور ادبی سفر کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ اختتامی اجلاس میں اردو کارواں کی جانب سے فرید احمد خاں نے مہمانانِ کرام کا استقبال کرتے ہوئے سمینار کے اغراض و مقاصد بیان کیے۔ پروگرام کے کوآرڈینیٹر ڈاکٹر محمد شفیع چوبدار نے ملک و بیرونِ ملک سے شریک تمام صدورِ اجلاس، مہمانانِ خصوصی، محققین، اساتذہ، طلبہ اور شرکا کا شکریہ ادا کیا۔

(روزنامہ ’اورنگ آباد ٹائمز‘)

گلزار دہلوی کے صد سالہ یومِ پیدائش پر
ایوانِ غالب میں یادگاری جلسہ

نئی دہلی (11 جولائی)۔ پنڈت آنند موہن زتشی گلزار دہلوی کے صد سالہ یومِ پیدائش کے موقعے پر ایوانِ غالب میں ایک یادگاری جلسہ منعقد کیا گیا۔ یہ تقریب گلزار دہلوی صد سالہ یادگار کمیٹی دہلی کے زیرِ اہتمام منعقد ہوئی، جس میں سابق رکنِ پارلیمنٹ جے پرکاش اگروال نے مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی۔ جے پرکاش اگروال نے گلزار دہلوی کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ وہ بے مثال شخصیت کے مالک اور انتہائی نفیس انسان تھے۔ اردو زبان پر ان کی ایسی گرفت تھی کہ بڑے بڑے اہلِ زبان بھی ان کی فصاحت و بلاغت کے معترف تھے۔ ملک کے نامور رہنماؤں جن میں پنڈت جواہر لال نہرو، اندرا گاندھی اور سونیا گاندھی شامل ہیں، سے ان کے گہرے مراسم تھے۔ اپنی علمی و ادبی عظمت کے باعث بعض لوگ انھیں چھوٹا نہرو بھی کہا کرتے تھے۔ پروفیسر اختر الواسع نے کہا کہ آج ہم صرف ایک شاعر کو یاد کرنے کے لیے جمع نہیں ہوئے بلکہ دہلی کی اس تہذیبی روح کو سلام پیش کرنے آئے ہیں جس نے صدیوں سے مختلف مذاہب، زبانوں اور ثقافتوں کو ایک ہی گلشن کے رنگارنگ پھولوں کی طرح پروان چڑھایا ہے۔ پروفیسر شہپر رسول نے کہا کہ گلزار دہلوی اردو کو اپنی مادری زبان قرار دیتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ میں نے اردو کو شیرِ مادر کے ساتھ پیا ہے، اس لیے یہ میرے رگ و پے میں خون کی طرح دوڑتی ہے۔ حسن ضیاء نے کہا کہ گلزار دہلوی سماجی ہم آہنگی اور رواداری کی بہترین مثال تھے۔ ان کے نظریات کی راہ میں اگر کوئی رکاوٹ بنتا تو وہ پوری جرأت کے ساتھ اس کا مقابلہ کرتے تھے۔

پروفیسر خالد محمود نے کہا کہ گلزار دہلوی صرف ایک قادر الکلام شاعر ہی نہیں بلکہ مشترکہ تہذیب اور قومی یکجہتی کے مضبوط علمبردار بھی تھے۔ جسٹس اقبال انصاری نے کہا کہ گلزار دہلوی کی زندگی محبت، رواداری اور آئینی اقدار کی پاسداری کا روشن نمونہ تھی۔ ڈاکٹر ادریس احمد نے کہا کہ گلزار دہلوی نے اردو زبان و ادب کی ترقی کے لیے گراں قدر خدمات انجام دیں اور اپنی تخلیقات کے ذریعے اردو کے ادبی سرمایے میں بیش بہا اضافہ کیا۔ ایڈوکیٹ اعجاز مقبول نے کہا کہ گلزار دہلوی کی شاعری میں محبت، انسانیت اور قومی ہم آہنگی کا پیغام نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ ان کی یادیں، افکار اور ادبی سرمایہ ہمیشہ اہلِ اُردو کے دلوں میں زندہ رہیں گے۔ تقریب کے ناظم شیخ علیم الدین اسعدی نے نظامت کے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیتے ہوئے کہا کہ گلزار دہلوی کی شخصیت محبت، اخوت، علم اور تہذیبی ہم آہنگی کی علامت تھی۔ جلسے کے دوران شیخ علیم الدین اسعدی کے ذریعے مرتّب کتابچہ ’گلزار دہلوی کی خوشبو‘ کا مہمانان کے ہاتھوں اجرا بھی عمل میں آیا اور یہ کتاب حاضرین کو بھی تقسیم کی گئی۔ بعد ازاں شعری نشست منعقد ہوئی جس کی صدارت انتظار نعیم نے کی، جس میں افضل منگلوری، وقار مانوی، اشوک مدھوپ، فرید احمد، تابش خیرآبادی، جاوید نیازی، اقبال فردوسی نے گلزار دہلوی کو منظوم خراجِ عقیدت پیش کیا۔ جلسے میں ڈاکٹر سیّد احمد خاں، انجینئر فیروز مظفر، محمد طاہر، محمد مجاہد، فہیم شاہنواز، محمد نسیم، منیر انجم اور علم وادب سے وابستہ بڑی تعداد میں لوگوں نے شرکت کی۔

(انقلاب۔ دہلی)

’بابائے الجبرا‘ و ’الگورتھم‘ کا بانی الخوارزم

(بقیہ صفحہ 1 سے آگے)

اعشاری نظام (Decimal System): الخوارزمی نے اعشاری حساب کو عام کیا، جس کی وجہ سے بڑے اور پیچیدہ حسابات آسان ہوئے۔

فلکیات میں خدمات: انھوں نے ایک فلکیاتی جدول (Zij) مرتب کی جسے (Zij-Al Sindhind) کہا جاتا ہے۔ اردو یا عربی میں اسے ’زیج السند ہند‘ کہتے ہیں۔ یہ ان کی ایک اور شاہکار کتاب کا نام بھی ہے۔ اس میں سورج، چاند اور سیاروں کی حرکات کا حساب درج تھا۔

’زیج‘ کیا ہے؟ زیج عربی و فارسی اصطلاح ہے، جس سے مراد فلکیاتی جدولوں کا ایسا مجموعہ ہوتا ہے جس کی مدد سے، سورج، چاند اور سیّاروں کی پوزیشن معلوم کی جاتی ہے۔ وقت، تقویم، اور کیلنڈر تیّار کیے جاتے ہیں۔ گرہن کا حساب لگایا جاتا ہے۔ قبلہ اور نماز کے اوقات میں مدد لی جاتی ہے۔ جغرافیہ میں خدمات: ان کی کتاب ’کتاب صورۃ الأرض‘ (Kitab Surat al-Ard) میں دنیا کے شہروں، دریاؤں، پہاڑوں اور سمندروں کے مقامات بیان کیے گئے ہیں۔ انھوں نے قدیم جغرافیہ داں بطلیموس (Claudius Ptolemy) کی بعض غلطیوں کی اصلاح بھی کی۔

نقشہ سازی (Cartography): الخوارزمی نے زمین کے نقشوں کی تیاری میں حصہ لیا اور عباسی دور کے سرکاری عالمی نقشے کے منصوبے میں کام کیا۔ زمین کے محیط کی پیمائش: خلیفہ المامون کے دور میں زمین کے محیط (Circumference) کی پیمائش کے منصوبے میں شریک رہے، جو اپنے زمانے کا ایک بڑا سائنسی کارنامہ تھا۔

بیت الحکمت میں علمی خدمات: انھوں نے بیت الحکمت‘ میں تحقیق، تدریس اور علمی کتابوں کے ترجمے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ الخوارزمی کے جدید سائنس پر اثرات نے ریاضی، کمپیوٹر سائنس، فلکیات، انجینئرنگ اور معاشیات پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ اب ہم ذرا تفصیل سے ’الجبرا‘ اور ’الگورتھم‘ کا عام قاری کے لیے عام فہم زبان میں جائزہ لیتے ہیں۔

الجبرا (Algebra) کیا ہے؟ الجبرا ریاضی کی وہ شاخ ہے جس میں اعداد (Numbers)، حروف (Variables)، علامتوں (Symbols) اور مساوات (Equations) کی مدد سے نا معلوم مقداروں (Unknown Quantities) کے درمیان تعلق کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ لفظ ’الجبرا‘ عربی زبان سے آیا ہے، جس کا مطلب ہے ’جوڑنا، بحال کرنا یا کمی کو پورا کرنا‘۔ یہ لفظ محمد بن موسیٰ الخوارزمی کی مشہور کتاب ’کتاب المختصر فی حساب الجبر والمقابلہ‘ سے دنیا بھر میں معروف ہوا ہے۔ الجبر کی ریاضیاتی تشریح کے بطور، الجبرا میں عام طور پر حروف مثلاً (b،a،y،x) نا معلوم یا متغیر مقداروں کی نمائندگی کرتے ہیں۔

الجبرا کی اہم شاخوں میں ’ابتدائی الجبرا‘ (Elementary Algebra)، خطی الجبرا (Linear Algebra)، ’مجرد الجبرا‘ (Abstract Algebra)، ’بولین الجبرا‘ (Boolean Algebra) اور ’میٹرکس الجبرا‘ (Matrix Algebra) شامل ہیں۔ الجبرا کا استعمال بہت سے شعبوں میں ہوتا ہے، مثلاً، انجینئرنگ، طبیعیات، کمپیوٹر سائنس، مصنوعی ذہانت (AI)، معاشیات، تعمیرات، مشین لرننگ اور شماریات وغیرہ۔ مختصراً، الجبرا ریاضی کی وہ زبان ہے جس کے ذریعے حقیقی دنیا کے مسائل کو مساوات کی شکل میں بیان اور حل کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ الخوارزمی کو ’بابائے الجبرا‘ (Father of Algebra) کہا جاتا ہے۔ الجبرا کے بعد اب ہم ’الگورتھم‘ کو سمجھتے ہیں۔

الگورتھم (Algorithm) کیا ہے؟ ’الگورتھم‘ کسی مسئلے کو حل کرنے یا کسی کام کو انجام دینے کے لیے واضح، منظّم اور مرحلہ وار ہدایات (Step by Step Instructions) کا مجموعہ ہوتا ہے۔ لفظ الگورتھم دراصل محمد بن موسیٰ الخوارزمی کے لاطینی نام (Algoritmi) یا (Algorismi) سے نکلا ہے۔ ان کے حسابی طریقوں نے بعد میں اس اصطلاح کو جنم دیا، جو آج کل کمپیوٹر سائنس اور ریاضی کی بنیادی اصطلاح ہے۔ مثال کے طور پر فرض کریں آپ کو ایک کپ چائے بنانی ہے۔ اس کا الگورتھم یوں ہوگا: پانی برتن میں ڈالیں، پانی کو ابالیں، چائے کی پتی ڈالیں، چینی شامل کریں، دودھ شامل کریں، چند منٹ پکائیں، چائے چھان کر کپ میں ڈالیں۔ یہ تمام ’مراحل‘ ایک ترتیب سے انجام دیے جاتے ہیں، اس لیے یہ ایک ’الگورتھم‘ ہے۔ ریاضی میں الگورتھم وہ طریقہ ہے جس سے حساب یا مسئلہ مرحلہ وار حل کیا جاتا ہے۔

کمپیوٹر سائنس میں الگورتھم: کمپیوٹر خود سوچتا نہیں ہے بلکہ اسے الگورتھم کے مطابق ہدایات دی جاتی ہیں۔ ہر کمپیوٹر پروگرام، موبائل ایپ، سرچ انجن، بینکنگ سسٹم اور مصنوعی ذہانت (AI) کسی نہ کسی الگورتھم پر کام کرتی ہے۔ ایک اچھے الگورتھم کی خصوصیات، بہت اہمیت رکھتی ہیں، جیسے واضح ہو (Clear)، مرحلہ وار ہو (Step-by-Step)، محدود مراحل پر مشتمل ہو (Finite)، درست نتائج دینے والا ہو (Correct)، موثر اور تیز (Efficient) ہو۔

الخوارزمی کی مندرجہ بالا تین اہم ترین کتابوں کے علاوہ تاریخ میں ان کی تین اور کتابوں کا بھی ذکر ملتا ہے۔ پہلی، ’کتاب الجمع والتفریق بحساب الہند‘ دوسری: ’زیج المامون‘ اور تیسری: ’کتاب العمل بالاِ سطرلاب‘ ہے۔ اسطرلاب کو انگریزی میں (Astrolabe) کہتے ہیں۔

جاوید وِلا، گراؤنڈ فلور، مکان نمبر 12-2-419/A/3/1
الاپتی نگر، مہدی پٹنم، حیدرآباد-500028 (تلنگانہ)
Mob. No. +91 6309727951
E-mail: abuumarsiddiqi@gmail.com

اردو ہندی ڈکشنری
انجمن ترقی اردو (ہند)
قیمت: 300 روپے

اسٹینڈرڈ انگلش اُردو ڈکشنری
مولوی عبدالحق
قیمت: 500 روپے

نگارشاتِ سحر
(مضامینِ پروفیسر سحر انصاری)
تدوین وحواشی: محمد صابر
قیمت: 250 روپے

انجمن ترقی اردو (ہند) کی چند مطبوعات

میرے مضامین (مجموعۂ مضامین ومقالات)	ڈاکٹر ماجد دیوبندی	300/-
نسخۂ حفیظ الدین احمد	اطہر فاروقی	1000/-
سرودِ عشق	شاہ رُخ جمال	200/-
گل دوگانہ	سیّد کاشف رضا	300/-
مشائخِ دہلی کی جامع تاریخ	پروفیسر شریف حسین قاسمی	700/-
مقالاتِ نظامی (پانچ جلدیں)	خلیق احمد نظامی	4500/-
نگینے لوگ (خاکوں کا مجموعہ)	معصوم مرادآبادی	250/-
ہمارا شہر اُس برس (گیتا نجلی شری)	ترجمہ: آفتاب احمد	700/-
میں میر میر کر اس کو بہت پکار رہا	سرور الہدیٰ	500/-
1857 کی اَن کہی حیرت انگیز داستانیں	شمس الاسلام	300/-
دیووں کا ظہور (الوک اگروال/ مینک اگروال)	مترجم: سیّد وجاہت مظہر	500/-
غزل اور فنِ غزل	ڈاکٹر نریش	200/-
فرہنگِ تلفظ: ایک تحقیقی وتنقیدی مطالعہ	سیّد رضوان علی ندوی	
	رؤف پاریکھ	250/-
مشاہیرِ ادب کے خطوط رشید حسن خاں کے نام	ابراہیم افسر	600/-
منیب الرحمٰن کی ایک صدی	بیدار بخت/ انور احمد	400/-
اردو املا اور حروفِ تہجی: لسانیاتی تناظر	رؤف پاریکھ	300/-
رموزِ اوقاف: کب، کہاں اور کیوں؟	ڈاکٹر شمس بدایونی	300/-
غروبِ شہر کا وقت	اُسامہ صدیق	900/-
کچھ اُداس نظمیں	ہربنس مکھیا	300/-
میانِ من وتو (تحقیقی وتنقیدی مضامین)	پروفیسر شاہد کمال	500/-
میرا جنون اردو (خطبات ومضامین)	طاہر محمود	700/-
میر کی خودنوشت سوانح (نثار احمد فاروقی)	صدف فاطمہ	400/-
کلّیاتِ خطباتِ شبلی	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	400/-
آزادی کے بعد کی غزل کا تنقیدی مطالعہ	ڈاکٹر بشیر بدر	500/-
اداریے (مشفق خواجہ)	محمد صابر	500/-
انور عظیم کی ادبی کائنات	فیضان الحق	700/-
بچوں کا گلدستہ (پانچ جلدیں)	غلام حیدر	2400/-
تحقیق وتوازن	ڈاکٹر نریش	250/-
تحقیقی مباحث	رؤف پاریکھ	300/-
چند فکری وتاریخی عنوانات	پروفیسر حکیم سیّد ظل الرحمٰن	400/-
ریت سمادھی (گیتا نجلی شری)	ترجمہ: آفتاب احمد	900/-
حکمِ سفر دیا تھا کیوں	شانتی ویرکول	200/-
عہدِ وسطیٰ کی ہندستانی تاریخ کے چند اہم پہلو	اقتدار عالم خاں	350/-
قدرت کا بدلا (موسم کا بدلاؤ)	سیّد ضیاء حیدر	600/-
کتابیاتِ حالی	ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد	300/-
یہ تو عشق کا ہے معاملہ	ڈاکٹر ہلال فرید	300/-
جب دیوں کے سر اُٹھے	ڈاکٹر ہلال فرید	360/-
سیر المنازل (مرزا سنگین بیگ)	شریف حسین قاسمی	600/-
محرابِ تمنا	فطرت انصاری	200/-
مکتوباتِ مولوی عبدالحق بنام مشاہیر...	میر حسین علی امام، یاسمین سلطانہ فاروقی	700/-
لفظ (کلیاتِ زہرا نگاہ)	زہرا نگاہ	500/-
In This Live Desolation (Autobiography of Akhtarul Iman)	ترجمہ: بیدار بخت	500/-
سخنِ افتخار (کلیاتِ افتخار عارف)	افتخار عارف	1500/-
گواہی (شاعری)	گوہر رضا	500/-
میری زمین کی دھوپ (ہندی)	ونود کمار ترپاٹھی بشر	400/-
کھُلا دروازہ	ڈاکٹر نریش	250/-
ٹیپو سلطان کا خواب (گریش کرناڈ)	محبوب الرحمان فاروقی	300/-
اپنی دنیا آپ پیدا کر	غلام حیدر	900/-

مسائلِ لغت و قواعد اور رشید حسن خاں کے فکری ابعاد

(بقیہ صفحہ 3 سے آگے)

وہ عبدالواسع ہانسوی کے غرائب اللغات کی تدوین کا ارادہ رکھتے ہیں اور انھوں نے اپنے لاہور کے سفر کے دوران ذخیرۂ شیرانی سے اس لُغت کے نسخے کا عکس لے لیا ہے۔ لاہور کے سفر سے قبل رشید صاحب نے عارف نوشاہی کے توسط سے 1991 میں غرائب اللغات کا نسخہ حاصل کر لیا تھا۔ اس کی تصدیق موصوف نے 7 جولائی 1991 کو عارف نوشاہی کے نام لکھے خط میں کی[14]۔ رشید صاحب نے گیان چند کے نام لکھے مکتوب میں اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ سراج الدین خان آرزو اور ڈاکٹر سیّد عبداللہ نے اس لُغت کی تدوین میں ناانصافی کی۔ انھوں نے یہ بھی لکھا کہ خان آرزو نے گوالیاری افصح السنہ کے پھیر میں اور ڈاکٹر سید عبداللہ نے اُردو کے اصل علاقوں کو نہ جاننے کی وجہ سے گرہ لگائی ہیں۔ خط کا وہ اقتباس ملاحظہ کیجیے جس میں مذکورہ بالا بحث شامل ہے:

> ''میرا ارادہ عبدالواسع ہانسوی کے لُغت غرائب اللغات کو مرتب کرنے کا ہے۔ اُس کے متعدد خطی نسخوں کے عکس اب سے پہلے ہی جمع کر لیے تھے۔ لاہور گیا تھا تو ذخیرۂ شیرانی کے نسخے کا عکس لیتا آیا تھا۔ اُس کے ساتھ زمانے نے اور خان آرزو نے اور پھر آخر میں سید عبداللہ نے بہت ناانصافی کی ہے۔ اُردو جس علاقے میں پیدا ہوئی (بہ قول اربابِ لسانیات) اُس علاقے کے کسی شخص نے اُس زمانے میں اُس علاقے کے تلفظ، معنی اور صورت کی شکل بندی کی تو یہ تو اچھا کام کیا، بڑا کام کیا۔ آرزو نے زبان گولیاری 'افصح السنہ' کے پھیر میں اور سیّد عبداللہ نے اِس علاقے کو نہ جاننے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے اُسی پر گرہ لگائی۔''[15]

حالاں کہ رشید صاحب نے 11 اپریل 1998 کو گیان چند جین کے نام لکھے مکتوب میں اس جانب واضح اشارہ کیا کہ وہ عبدالواسع ہانسوی کے غرائب اللغات کی تدوین کا ارادہ رکھتے ہیں اور انھوں نے اپنے لاہور کے سفر کے دوران ذخیرۂ شیرانی سے اس لُغت کے نسخے کا عکس لے لیا ہے۔ لاہور کے سفر سے قبل رشید صاحب نے عارف نوشاہی کے توسط سے 1991 میں غرائب اللغات کا نسخہ حاصل کر لیا تھا۔ اس کی تصدیق موصوف نے 7 جولائی 1991 کو عارف نوشاہی کے نام لکھے خط میں کی[14]۔ رشید صاحب نے گیان چند کے نام لکھے مکتوب میں اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ سراج الدین خان آرزو اور ڈاکٹر سیّد عبداللہ نے اس لُغت کی تدوین میں ناانصافی کی۔ انھوں نے یہ بھی لکھا کہ خان آرزو نے گوالیاری افصح السنہ کے پھیر میں اور ڈاکٹر سید عبداللہ نے اُردو کے اصل علاقوں کو نہ جاننے کی وجہ سے گرہ لگائی ہیں۔ خط کا وہ اقتباس ملاحظہ کیجیے جس میں مذکورہ بالا بحث شامل ہے:

> ''میرا ارادہ عبدالواسع ہانسوی کے لُغت غرائب اللغات کو مرتب کرنے کا ہے۔ اُس کے متعدد خطی نسخوں کے عکس اب سے پہلے ہی جمع کر لیے تھے۔ لاہور گیا تھا تو ذخیرۂ شیرانی کے نسخے کا عکس لیتا آیا تھا۔ اُس کے ساتھ زمانے نے اور خان آرزو نے اور پھر آخر میں سید عبداللہ نے بہت ناانصافی کی ہے۔ اُردو جس علاقے میں پیدا ہوئی (بہ قول اربابِ لسانیات) اُس علاقے کے کسی شخص نے اُس زمانے میں اُس علاقے کے تلفظ، معنی اور صورت کی شکل بندی کی تو یہ تو اچھا کام کیا، بڑا کام کیا۔ آرزو نے زبان گولیاری 'افصح السنہ' کے پھیر میں اور سیّد عبداللہ نے اِس علاقے کو نہ جاننے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے اُسی پر گرہ لگائی۔''[15]

رشید حسن خاں اپنی عمر کے آخری ایام تک عبدالواسع ہانسوی کے غرائب اللغات کو مرتب کرنے کا مصمم ارادہ رکھتے تھے۔ اس کی تصدیق اُن مکتوبات سے ہوتی ہے جو انھوں نے اپنے ادبی کرم فرماؤں اور احباب کو لکھے تھے۔ گوہر نوشاہی کے نام لکھے دو مکتوب اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ موصوف اپنی وفات سے چار ماہ قبل بھی غرائب اللغات کی تدوین کا ارادہ کیے ہوئے ہیں۔ گوہر نوشاہی کو 11 اکتوبر 2005 کو لکھے خط میں غرائب اللغات کی تدوین کے بارے میں رقم طراز ہیں:

> ''آج کل 'غرائب اللغات' کو مرتب کرنے میں لگا ہوا ہوں۔ یہ اُردو کا پہلا لُغت ہے۔ 'نوادر الالفاظ' جو اِسی پر مبنی ہے چھپ گئی؛ مگر یہ اصل کتاب اب تک نہیں چھپ سکی تھی، اب چاہتا ہوں کہ اِس کا متن مرتب ہو کر معرضِ طبع میں آجائے۔ مولانا عبدالواسع ہانسوی کی محنت کیوں ضائع ہو۔ خان آرزو اور پھر ڈاکٹر سید عبداللہ نے ہانسوی کے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔ دیکھیے کب تک مکمل کر پاتا ہوں۔ اسّی برس کے بعد آدمی بڑی حد تک سست قدم ہو جاتا ہے۔ یہاں بھی وہی احوال ہے۔''[16]

لیکن جب رشید حسن خاں کو گوہر نوشاہی کے خط سے معلوم ہوا کہ عارف نوشاہی غرائب اللغات کو مرتب کر رہے ہیں تو انھوں نے 18 نومبر 2005 کو خط لکھ کر غرائب اللغات کو مرتب کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ انھوں نے غرائب اللغات کے اُن نسخوں کی بھی نشان دہی کی جن تک اُن کی دسترس تھی۔ رشید صاحب نے غرائب اللغات پر جو مضمون شائع ہونے کے لیے کسی رسالے کو روانہ کیا تھا کے بارے میں لکھا کہ میں نے اس مضمون کے آخر میں مرتب لفظ لکھ دیا تھا اب اڈیٹر کو خط لکھوں گا کہ مرتب لفظ کو حذف کر دیا جائے۔ اس بابت رشید صاحب گوہر نوشاہی کو لکھتے ہیں:

> ''یہ مجھے آپ کے خط سے معلوم ہوا کہ برادرم عارف نوشاہی بھی 'غرائب اللغات' کو مرتب کر رہے ہیں۔ یہ بات میرے علم میں نہیں تھی۔ میں نے اب اِس کام کو نہ کرنے کا قطعی طور پر فیصلہ کر لیا ہے اور اِس بستے کو باندھ کر حوالۂ طاقِ نسیاں کر دیا ہے۔ اِس سے متعلق ایک مختصر سا تعارفی مضمون ایک رسالے کو بھیجا تھا، اِس کے چھپنے میں وقت لگے گا، اِس کے آخر میں میں نے لکھا تھا کہ میں اِسے مرتب کر رہا ہوں؛ آج ہی اڈیٹر کو ضروری خط لکھا ہے کہ اُس کے آخری پیراگراف کو نکال دیا جائے۔ دیکھیے بھائی! کام کرنے کے بہت ہیں اور وقت کم رہ گیا ہے؛ ایسے میں ایک ہی کام کو دو آدمی کریں گے تو فائدہ کچھ نہیں ہوگا۔ اچھا یہ ہوگا کہ اُس مدت میں دو آدمی دو کام کریں، اِس سے فائدہ ہوگا۔ عارف صاحب اِس کام کو مجھ سے بہتر طور انجام دیں گے، اِس لیے میں کل سے ایک اور کام کا ڈول ڈالوں گا۔ میرے پاس غرائب کے خطی نسخوں کے جو عکس ہیں اُن میں آزاد لائبریری علی گڑھ، ذخیرۂ شیرانی کا جو نسخہ نسبتاً بہتر ہے؛ اگر وہ وہاں نہ ہو تو لکھیے، میں اُس کو فوری طور پر بھیج دوں گا۔ میرے علم میں اِس کا ایک نسخہ ذخیرۂ اشپرنگر جرمنی میں بھی ہے، میں نے اُس کا عکس حاصل کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن ناکام رہا، معلوم نہیں کیسا نسخہ ہے۔''[17]

10 اگست 1985 کو سیّد شہاب الدین دسنوی کے نام لکھے خط میں رشید صاحب نے املا کے مسائل اور تلفظ پر اظہارِ خیال کیا ہے۔ انھوں نے لفظ 'فاش' اور 'فاحش' کے دبیز فرق اور اس کے استعمال کے کلیے پر اپنا مطمحِ نظر واضح کیا۔ اس خط میں انھوں نے عبارت میں در آئی تذکیر و تانیث کی غلطیوں کی جانب بھی واضح اشارے کیے۔ اس خط کا اقتباس ملاحظہ کیجیے جس میں اُردو املا اور جملوں کی ساخت میں در آئی غلطیوں کو نشان زد کیا گیا ہے:

> ''میں ہمیشہ 'فاش غلطی' لکھتا ہوں۔ بحث جو چلی تھی، وہ مجھے یاد ہے۔ 'فاحش' میں جو پہلو نمایاں ہے وہ گہری برائی کا ہے جس سے لفظ 'فاحشہ' بنا ہے۔ اگر کوئی 'فاحش غلطی' لکھے گا تو میں اُسے غلطی نہیں کہوں گا، مگر خود نہیں لکھوں گا۔ 'فاش غلطی' کے معنی ہیں، کھلی ہوئی غلطی اور عموماً یہی مفہوم ہوتا ہے۔ اگر کسی مقام پر ایسا مفہوم ہے جس میں لفظ 'فاحش' اپنی معنوی وسعت کی بنا پر زیادہ چسپاں ہوتا ہے تو الگ بات ہے، ورنہ عام طور پر جیسی غلطیوں کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے وہ فاش اغلاط کہلانے کی مستحق ہوتی ہیں۔
>
> معلومات، کتابیات وغیرہ جو آپ نے پوچھا، تو عرض کر دوں کہ اس سلسلے میں اب تک کوئی ایسا کلیہ نہیں بن سکا ہے کہ سب لفظ اُس کے دائرے میں آجائیں۔ 'اُن کے حالات' کہا جائے گا، مگر 'اُن کی معلومات' عام طور پر کہا جاتا ہے۔ (قاضی صاحب مرحوم 'اُن کے معلومات' لکھا کرتے تھے)، 'وہاں کی عمارت' کہتے ہیں اور 'اُن کے تصورات' کہا جاتا ہے۔ عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ واحد لفظ اگر استعمالِ عام میں مذکر ہے تو ایسے جملے [جمع] بھی بہ تذکیر آتی ہے (تصور-تصورات) اور مونث ہو تو جملے [جمع] بھی بہ تانیث استعمال میں آتی ہے (عمارت-عمارات)۔ بعض اساتذہ اور قواعد نویسوں کا یہ کہنا ہے کہ ایسی جمعیں جو عربی کے انداز پر 'ات' کے اضافے سے بنائی گئی ہوں، اُن کو ہمیشہ بہ تذکیر استعمال کرنا چاہیے، مگر اس قاعدے کو حتمی طور پر اور التزاماً پابندی نہیں کی جا سکتی۔ کرنے والے کر لیں، میں تو 'اُن کے عورات' اور 'اُن کے عمارات' اور 'اُن کے تقریبات' کبھی نہیں کہوں گا۔ 'تقریب' مونث ہے اس لیے 'تقریبات' بھی مونث اور 'باغ' مذکر ہے اس لیے 'باغات' بھی مذکر۔ 'تمثیل' بھی مونث ہے، اس لیے 'تمثیلات' بھی مونث، 'تصویر' مونث ہے اِس لیے 'تصویرات' بھی مونث۔ اِس کے برخلاف 'تقررات' اور 'تخیلات' مذکر، اس کے لیے ان کے واحد بھی مذکر ہیں۔ میں تو اسی قاعدے کو مانتا ہوں۔''[18]

حواشی:

1. لغات روزمرہ، تیسرا ایڈیشن، شمس الرحمٰن فاروقی، 2011، ص 9
2. ایضاً، ص 13
3. اُردو اِملا، رشید حسن خاں، نیشنل اکادمی، 9 انصاری مارکیٹ، دریا گنج، دہلی، مئی 1974، ص 674
4. لغت نویسی کا پس منظر، ڈاکٹر مسعود ہاشمی، اکتوبر 1997، ص 20
5. لُغت نویسی کے مسائل، مرتبہ پروفیسر گوپی چند نارنگ، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ستمبر 1985، ص 23
6. کلاسکی ادب کی فرہنگ (جلد اوّل) رشید حسن خاں، انجمن ترقی اُردو (ہند) نئی دہلی، 2013، ص 12
7. رشید حسن خاں کے خطوط، مرتب ڈاکٹر ٹی. آر. رینا، اُردو بک ریویو، نئی دہلی، فروری 2011، ص 191
8. ایضاً، ص 201
9. ایضاً، ص 233
10. ایضاً، ص 286-285
11. ایضاً، ص 453-452
12. ایضاً، ص 455-454
13. ایضاً، ص 513
14. رشید حسن خاں کے خطوط (جلد چہارم) مرتبہ ڈاکٹر ٹی. آر. رینا، اصیلا آفسیٹ پریس، نئی دہلی، اپریل 2026، ص 177
15. رشید حسن خاں کے خطوط، مرتّبہ ڈاکٹر ٹی. آر. رینا، اُردو بک ریویو، نئی دہلی فروری 2011، ص 815
16. رشید حسن خاں کے خطوط (جلد چہارم) مرتبہ ڈاکٹر ٹی. آر. رینا، اصیلا آفسیٹ پریس، نئی دہلی، اپریل 2026، ص 184
17. ایضاً، ص 186-185
18. رشید حسن خاں کے خطوط، مرتّبہ ڈاکٹر ٹی. آر. رینا، اُردو بک ریویو، نئی دہلی فروری 2011، ص 669 .... (باقی آئندہ)

بھوپال کے منفرد ادیب وصحافی: قدوس صہبائی

عارف عزیز

ہندستان کی تاریخ میں عبدالقدوس صہبائی (پ:1910،م: 1985) کا نام 1934 میں اُبھرا اور تیزی سے مطلع صحافت وادب پر روشن ہوگیا۔ انھوں نے صحافت کا سبق سب سے پہلے ہندستان کے بطل جلیل مولانا شوکت علی سے لیا۔ بمبئ میں تعلیم کے دوران جب اُن کے والد کا انتقال ہوا تو تعلیم کی تکمیل میں خلافت کمیٹی نے اُن کی مدد کی، بعد میں اِسی اخبار میں وہ مترجم کی حیثیت سے کام کرنے لگے اور یہیں انھیں تحریکِ خلافت کے روحِ رواں مولانا شوکت علی سے استفادے کا موقع ملا، اِس کے بعد بھوپال سے 1936 میں شائع ہونے والے ہفت روزہ 'صبحِ وطن ثانی' میں بھی اُنھوں نے خان شاکر علی خان کے ساتھ بحیثیت ایڈیٹر کام کیا، جب کہ 1939 میں ہفت روزہ 'ریاست' قدوس صہبائی نے خود نکالا اور ان اخبارات کے وسیلے سے اپنے وطن بھوپال میں جمہوری تحریکات کو آگے بڑھانے میں وہ سرگرم رہے یہاں تک کہ اُنھیں بھوپال چھوڑ کر باہر جانا پڑا تو ملک کے دیگر مقتدر اخبار ورسائل میں کام کرتے رہے۔ سہ روزہ 'مدینہ' بجنور اس دور کے صفِ اوّل کے اخبارات میں شمار ہوتا تھا، اِس کے لیے اعلا صلاحیت وقابلیت کے قلم کاروں کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں۔ قدوس صہبائی کے 'مدینہ' کی اِدارت میں شمولیت سے قبل مولانا نصراللہ خاں عزیز اور مولانا حامدالانصاری غازی بھی اِس میں کام کر چکے تھے۔ ان کی جگہ قدوس صہبائی نے لی تو وہ اپنے پیش رو ایڈیٹروں سے کافی کم عمر تھے لیکن اپنی غیر معمولی صلاحیت، اندازِ فکر اور مطالعے کے باعث بہت کم وقت میں اُنھوں نے عزت وشہرت حاصل کر لی، بعدازاں 'ہند' کلکتہ، 'مسلمان' دہلی، 'نظام' بمبئ، 'استقلال' کوئٹہ وغیرہ میں بھی اُنھوں نے کام کیا۔

قدوس صہبائی 1910 کے دوران بھوپال کے ایک ایسے خاندان میں پیدا ہوئے جس میں کئی پشتوں سے فوج میں ملازمت کا سلسلہ جاری تھا، ان کے والد عبدالقیوم خاں فوج میں رسالدار تھے اور دادا عبدالغفار خاں صوبیدار اور دادا کے والد علی گوہر خاں بھی فوج سے منسلک تھے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پہلی جنگِ آزادی میں یہ خاندان

قدوس صہبائی نے صحافت کا سبق سب سے پہلے ہندستان کے بطلِ جلیل مولانا شوکت علی سے لیا۔ بمبئ میں تعلیم کے دوران جب اُن کے والد کا انتقال ہوا تو تعلیم کی تکمیل میں خلافت کمیٹی نے اُن کی مدد کی، بعد میں اِسی اخبار میں وہ مترجم کی حیثیت سے کام کرنے لگے اور یہیں انھیں تحریکِ خلافت کے روحِ رواں مولانا شوکت علی سے استفادے کا موقع ملا، اِس کے بعد بھوپال سے 1936 میں شائع ہونے والے ہفت روزہ 'صبحِ وطن ثانی' میں بھی اُنھوں نے خان شاکر علی خان کے ساتھ بحیثیت ایڈیٹر کام کیا، جب کہ 1939 میں ہفت روزہ 'ریاست' قدوس صہبائی نے خود نکالا اور ان اخبارات کے وسیلے سے اپنے وطن بھوپال میں جمہوری تحریکات کو آگے بڑھانے میں وہ سرگرم رہے۔

باغیوں کا ہمنوا تھا، قدوس صہبائی کو اپنے زمانے کے رواج کے مطابق پہلے قرآن مجید حفظ کرایا گیا، پھر اسکول میں داخلہ ملا، علی گڑھ اسکول سے میٹرک پاس کر کے اُنھوں نے بمبئ یونیورسٹی سے بی اے آنرز اور ایم اے کیا، بمبئ میں قیام کے دوران جب وہ ایم اے میں زیرِ تعلیم تھے اُن کے والد کا انتقال ہوگیا تو تعلیم مکمل کر کے اُنھیں بھی فوج میں بھیج دیا گیا لیکن وہ انگریزی فوج میں ملازمت کے سخت خلاف بلکہ ذہنی طور پر انگریزوں کے باغی تھے لہٰذا فوج سے بھاگ کھڑے ہوئے، اب سرکاری نوکری کا سوال ہی نہیں تھا اِس لیے آزادی کی تحریک میں شامل ہوگئے، اُس وقت انگریز حکومت کے ماتحت علاقوں اور راجہ نوابوں کے زیرِ اقتدار ریاستوں کے حالات میں زمین آسمان کا فرق تھا اور جو حقوق برطانوی حکومت کے علاقوں میں عوام کو میسر تھے ریاستیں اُن سے محروم تھیں۔ آزادیِ تحریر وتقریر کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا، ظلم وزیادتی اور ناانصافی کے خلاف آواز اُٹھانا بھی جرم تھا، اِس ماحول وفضا میں قدوس صہبائی نے نہ صرف بھوپال کے اخبارات میں کام کر کے 'پرورشِ لوح وقلم' کی بلکہ ملک کے مختلف حصوں سے نکلنے والے مقتدر اخبارات کو بھی عوامی اُمنگوں کا ترجمان بنانے میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔ اِس دور میں صحافت آج کی طرح صنعت نہیں ایک مشن ومقصد تھا، قدوس صہبائی نے تو اسے عبادت کا درجہ دے دیا۔ اِس طرح 1934 سے 1978 تک وہ صحافت کے میدان میں جوہر دِکھاتے رہے۔ 1951 میں پاکستان منتقل ہوکر قدوس صہبائی نے انگریزی صحافت میں قدم رکھا اور 'ڈان'، 'خیبر میل'، 'مارننگ نیوز'، 'سول اینڈ ملٹری گزٹ' اور 'اسٹیٹسمین' وغیرہ میں 25 سال تک کام کیا، خاص طور پر صوبہ سرحد کے پسماندہ علاقے میں صحافت کے پودے کو جس طرح پروان چڑھایا وہ اُن کا ہی کارنامہ تھا، سچائی کے اظہار اور حق پرستی کے جس نصب العین کو قدوس صہبائی نے پہلے دن اختیار کیا، اس کے لیے بڑی سے بڑی قربانیاں دینے سے کبھی دریغ نہیں کیا، زندگی کے کسی حصّے میں قلم فروشی نہیں کی، 1964 میں بیروزگاری کے جاں گسل حالات میں ان کی اہلیہ کینسر کے موذی مرض کا شکار ہوکر انتقال کرگئیں لیکن قدوس صہبائی کے پایۂ استقلال میں لغزش نہ آئی۔

قدوس صہبائی صرف صحافی نہیں تھے، انھوں نے کثیر تعداد میں افسانے اور ڈرامے بھی لکھے، اسی کے ساتھ انگریزی کہانیوں کو اُردو کا جامہ پہنایا، صہبائی کے افسانوں کے جو مجموعے منظرِ عام پر آئے اُن میں 'زلزلے'، 'ولولے'، 'کروٹیں' اور 'نئے خاکے' شامل ہیں۔ ادبی رسالے 'نظام' بمبئ میں بحیثیت ایڈیٹر کام کرتے ہوئے اُنھوں نے ترقی پسند تحریک سے اپنے جس رشتے کو اُستوار کیا، اُس کو آخر وقت تک نبھایا، اس عہد کے جن شاعروں اور ادبی تخلیقات کو 'نظام' کی زینت بنا کر متعارف کرایا اُن میں احمد ندیم قاسمی، سجاد ظہیر، کیفی اعظمی، سردار جعفری، مجروح سلطانپوری وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں، اس طرح 75 سالہ سرگرم زندگی گزار کر 1985 کے دوران کراچی میں وہ راہی ملکِ عدم ہوئے۔

قدوس صہبائی کی یہ زندگی آزادی کے بعد چھا جانے والی دُھندلی فضا میں ایک روشن مینار کی حیثیت رکھتی ہے، اُنھوں نے اپنے خونِ جگر سے ادب وصحافت کی آبیاری کی وہ حقیقت میں میدانِ صحافت کے ایسے شاہین تھے جن کو نیرنگیِ دوراں بھی اسیر نہیں کرسکی، دمِ آخر تک وہ اپنے مسلک سے اُسی طرح محبت کرتے رہے جس طرح عاشق اپنے محبوب سے کرتا ہے، آج جب کہ صحافت مشن کے بجائے پروفیشن بن گیا ہے اور صحافی کے قلم کو خریدا اور بیچا جارہا ہے تو اِس ماحول میں بھی قدوس صہبائی کو کوئی خرید نہیں سکا کیوں کہ اُنھوں نے صحافت کا پہلا سبق معروف انقلابی مولانا شوکت علی سے پڑھا تھا، دنیا میں لوگ یادگاریں چھوڑ جاتے ہیں، قدوس صہبائی نے اپنے پیچھے مسلسل عمل، پختہ یقین اور بےلوث خدمت کا جذبہ چھوڑا ہے۔

20-گھاٹی بھڑ بھونجہ روڈ، تلیا، بھوپال-462001
E-mail:arifazizbpl@rediffmail.com
Mob. No. 9425673760

مدیر : اطہر فاروقی
Editor : Ather Farouqui
شریکِ مدیر : محمد عارف خاں
Joint Editor : Mohd. Arif Khan
معاون مدیران : منور حسن کمال، سالم فاروق ندوی
Assisistant Editors :
Munawwar Hasan Kamal, Salim Farooq Nadwi
پرنٹر پبلشر : عبدالباری
Printer Publisher : Abdul Bari
مطبوعہ : جاوید پریس، 2096، رودگراں، لال کنواں، دہلی-٦
مالک : انجمن ترقی اردو (ہند)
اردو گھر، 212، راؤز ایونیو، نئی دہلی-110002
Proprietor:
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)
Urdu Ghar, 212-Rouse Avenue,
New Delhi-110002
قیمت : فی شمارہ: پانچ روپے، سالانہ: 200 روپے
بیرونی ممالک: آٹھ امریکن ڈالر
Subscription: (Per Issue): Rs. 5/-, Annual: 200/-
(Foreign Countries: US $ 8)
E-mail: hamarizaban.weekly@gmail.com
http://www.atuh.org,
Phones: 0091-11-23237722

ادارے کا مضمون نگاروں کی آرا سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے (ادارہ)

Printed and Published by ***Abdul Bari*** on behalf of Anjuman Taraqqi Urdu (Hind), Urdu Ghar, 212, Rouse Avenue, New Delhi-110002
and Printed at Javed Press, 2096, Rodgran, Lal Kuan, Delhi-110006, Editor: ***Dr Ather Farouqui***